DOI: https://doi.org/10.52541/fn.v58i3.1400

التفسير البياني للقرآن الكريم اور نظرات في كتاب الله کا تجزیاتی مطالعہ

عائشہ جبیں ۞

An Analytical Study of *al-Tafsīr al-Bayānī li ʼl-Qurʼān al-Karīm* and *Naẓarāt fi Kitāb Allāh*

Ayesha Jabeen ۞

ABSTRACT

Twentieth century could be termed as the period when a renewed interest was seen in the Qurʼānic exegesis. Included in the long list of exegetes during this period are some women commentators of the Qurʼān, such as ʻĀʼishah bint al-Shāṭiʼ and Zaynab al-Ghazālī. This paper aims to analyze their commentaries of the Qurʼān, while focusing on their respective methodologies. A survey of ʻĀʼishah's commentary, *al-Tafsīr al-Bayānī li ʼl-Qurʼān al-Karīm*, indicates that she focuses on the apparent meaning of the text of the Qurʼān and has tried to present the rhetorical and linguistic aspects of the verses (*āyāt*) of

۞ لیکچرار، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، گلبرگ، لاہور۔

۞ Lecturer, Govt. Postgraduate College for Women, Gulberg, Lahore. (ayeshajabeen191@gmail.com)

the Qur'ān. On the other hand, Zaynab in her commentary, *Naẓarāt fi Kitāb Allāh*, primarily relies on the traditional methods of the Qur'ānic exegesis i.e., *tafsīr bi 'l-riwāyah.*

Keywords

'Ā'ishah bint al-Shāṭi', Zaynab al-Ghazālī, *al-Tafsīr, al-Tafsīr al-Bayānī li 'l-Qur'ān al-Karīm, Naẓarāt fi Kitāb Allāh*

Summary of the Article

Muslims consider the Holy Qur'ān the ultimate source of guidance for all humanity. Since the beginning of Islamic history, Muslim scholars dedicated a considerable amount of resources and time to the understanding and interpretation of the Qur'ān, considering it as an obligation on their part and as a sign of devoutness. The twentieth century could be termed the period of a renewed interest in the Qur'ānic exegesis. Included in the long list of exegetes during this period are also some women commentators of the Qur'ān, such as 'Ā'ishah bint al-Shāṭi' and Zaynab al-Ghazālī. This paper aims to analyze their commentaries of the Qur'ān and

focuses on their respective methodologies.

‘Ā’ishah ‘Abd al-Raḥmān, who wrote under the pen name of Bint al-Shāṭi’, was a renowned Egyptian scholar, researcher, and professor of Arabic literature. She authored many books on Qur’ānic studies and other Islamic sciences. However, her most prominent work is an exegesis of the Qur’ān known as *al-Tafsīr al-Bayānī li ’l-Qur’ān al-Karīm*, which happens to be the first exegesis of the Qur’ān written by a woman and that has reached us in published form. This exegesis consists of two volumes and covers the interpretation of fourteen selected chapters (*sūrah*s) of the Qur’ān.

Zaynab al-Ghazālī was also an eminent Egyptian thinker, scholar, and author. Unlike Bint al-Shāṭi’ who was more of an academic, al-Ghazālī spent most of her life as an activist. She was an active proponent of Muslim women’s role in the progress of Muslim nations. Her most important contribution is also an exegesis of the Qur’ān, *Naẓarāt fī Kitāb Allāh* which consists of two volumes. This is the first-ever

published exegesis of the Qur'ān by a Muslim woman which is comprised of the interpretation of the entire Qur'ān.

In her *al-Tafsīr al-Bayānī*, Bint al-Shāṭi' primarily focused on the literal and apparent meanings of the Qur'ānic text and did not rely much on the tradition-based exegesis (*al-fasīr bi 'l-Ma'thūr)*. One of the key features of her exegesis is that it emphasizes the linguistic and rhetorical aspects of the Qur'ānic verses. She calls upon the reader of the Qur'ān to contemplate directly over the Qur'ānic text and look for the words and verses having the same meanings in other places of the Qur'ān for a better understanding of its text. Her exegesis is not confined to the conventions of traditional exegetical literature. Hence, in many instances, her interpretation of the Qur'ānic text differs from the traditional interpretations.

Quite contrary to the approach adopted by Bint al-Shāṭi', Zaynab al-Ghazālī primarily relies on tradition-based exegesis, that is, the exegesis based on

the Qur'ān or the interpretations of the Qur'ānic text by the Prophet (PBUH) and early Muslims (*aslāf*). Since al-Ghazālī was primarily an activist who remained associated with the Muslim Brotherhood for the better part of her life, the missionary and ideological aspects of her life are discernable in her exegesis.

As 'Ā'ishah bint al-Shāṭi' and Zaynab al-Ghazālī are the pioneering women exegetes of the Qur'ān, this paper aims to analyze their commentaries while focusing on their respective methodologies. In addition, it tries to contextualize their commentaries in the backdrop of the milieu of twentieth-century Egypt.

۞۞۞۞۞

تاریخِ عالم اور تاریخِ مذاہب میں سرزمینِ مصر نمایاں مقام اور خاص اہمیت کی حامل ہے۔ ابوالانبیا حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کنعان کی طرف ہجرت کرتے ہوئے مصر میں قیام کیا۔[۱] یہ حضرت

۱- محمد بن جریر الطبری، **تاریخ الرسل والملوک** (بیروت: دار ابن کثیر، ۱۴۲۸ھ)، ۱: ۲۵۹-۲۶۱؛ علی بن الحسین المسعودی، **مروج الذهب ومعادن الجوهر** (بیروت: دار الکتب العلمیة، س۔ن)، ۱: ۴۱-۴۲؛ علی بن محمد ابن الأثیر، **الکامل في التاریخ** (بیروت: دار الکتاب العربي، ۱۴۲۰ھ)، ۱: ۹۱؛ اسماعیل بن عمر ابن کثیر، **البدایة والنهایة** (بیروت: دار المعرفة، ۱۴۷۱ھ)، ۱: ۱۶۷-۱۶۹۔

یوسف علیہ السلام کا مسکن [۲] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مولد بھی ہے۔ قرآن حکیم میں حیاتِ موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل اور فرعون کے حوالے سے مذکور تفصیلات میں سرزمینِ مصر پر برپا ہونے والی حق و باطل کی کشمکش، اہلِ حق اور اہلِ باطل کے رویوں کو بہ طور نمونۂ عبرت و نصیحت پیش کیا گیا ہے۔ [۳]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مصر کے بارے میں یہ وصیت فرمائی: "إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ مِصْرَ وَهِيَ أَرْضٌ يُسَمَّى فِيهَا الْقِيرَاطُ فَإِذَا فَتَحْتُمُوهَا فَأَحْسِنُوا إِلَى أَهْلِهَا فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِمًا أَوْ قَالَ ذِمَّةً وَصِهْرًا." [۴] (یوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مصر کی نوید کے ساتھ اہلِ مصر سے حسن سلوک کی وصیت فرمائی کہ ان کا تم پر حق ہے اور ان کا تم سے رشتہ بھی ہے۔ اس لیے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام عربوں کی بھی ماں ہیں اور زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہ قبطیہ بھی مصر سے تھیں۔)

براعظم افریقہ و ایشیا کے مابین مقام اتصال ہونے کے سبب یہ ہر دور میں مختلف ممالک کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ [۵] عہدِ فاروقی میں مصر کی فتح (۶۴۰ء) کے ساتھ اسے اسلامی شناخت حاصل ہو گئی۔ [۶] ۱۷۹۸ء میں مصر پر فرانس کے قبضے سے قبل یہ مختلف مسلم حکومتوں کے ماتحت رہا اور یہاں خالص اسلامی تہذیب و تمدن غالب رہا؛ لیکن حملۂ فرانس کے بعد مصر مغربی علوم و تہذیب کی جانب متوجہ ہوا اور یورپ کی صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ علمی و فکری اور تہذیبی بالادستی کے زیرِ اثر آنے لگا۔ فرانسیسی انخلا کے بعد مصر پر محمد علی کے خاندان کی حکومت رہی۔

۲- الطبری، مصدر سابق، ۱: ۲۹۳-۳۰۶؛ المسعودی، مصدر سابق، ۱: ۴۴؛ ابن الاثیر، مصدر سابق، ۱: ۱۲۳-۱۳۷؛ ابن کثیر، مصدر سابق، ۱: ۲۲۰-۲۴۴۔

۳- مطالعۂ آیات کے لیے رجوع کیجیے: القرآن، ۲: ۴۹-۶۱؛ ۵: ۲۰-۲۶؛ ۷: ۱۵۹-۱۶۷؛ ۱۰: ۷۵-۹۳؛ ۱۱: ۹۶-۹۹؛ ۱۴: ۵-۶؛ ۲۰: ۹-۹۹؛ ۲۶: ۱۰-۶۸؛ ۲۸: ۳-۴۳؛ ۴۰: ۲۳-۴۵؛ ۴۳: ۴۶-۵۶؛ ۴۴: ۱۷-۳۱؛ ۷۹: ۱۵-۲۶۔

۴- مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح**، كتاب فضائل الصحابة، باب وصية النبي صلى الله عليه وسلم بأهل مصر (ریاض: دار السلام، ۱۴۲۱ھ)، رقم: ۶۴۹۴۔

5- Robert Owen and Terence Blunsum, *Egypt: The Country and Its People* (London: The Queen Anne Press Ltd., 1966), 9.

۶- یوسف بن تغری بردی، **النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۳ھ)، ۱: ۷۸-۸۹؛ عبد الرحمٰن بن محمد ابن خلدون، **ديوان المبتدأ و الخبر في تاريخ العرب و البربر ومن عاصرهم من ذوي الشأن الأكبر** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۲۴ھ)، ۱: ۵۳۱-۵۳۲۔

اس عرصے میں مصر سلطنتِ عثمانیہ کا بھی حصہ تھا جو برطانیہ و فرانس کے حریفانہ مقابلوں کا مرکز بھی بنا رہا۔

۱۸۸۲ء میں برطانوی قبضے کے بعد تاریخِ مصر کا نیا باب شروع ہوتا ہے۔ یہاں اصلاحات اور تنظیمِ نو کا کافی کام کیا گیا لیکن یہ عمل برطانیہ نے اہلِ مصر کی دینی و قومی امنگوں اور مطالبات کو نظر انداز کر کے اپنی ترجیحات و اہداف کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا۔ چناں چہ بیسویں صدی عیسوی میں ملکی آزادی اور خود مختاری کے لیے یہاں ملی حمیت اور قومی وحدت و قوت سے بھرپور کئی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ نے اس کی مشروط اور محدود آزادی کا اعلان کر دیا۔ دفاعی اور بین الاقوامی معاملات میں مصر، برطانیہ کے زیرِ اثر رہا۔ یہ صورت حال ۱۹۵۲ء کے فوجی انقلاب تک جاری رہی۔ اس عرصے میں مصر کو کئی سیاسی پیچیدگیوں کا سامنا رہا۔ برطانوی اثر و رسوخ، قصرِ شاہی اور تحریکِ آزادی کے پرجوش قائدین و عوام کے مابین ایک مسلسل کشمکش جاری رہی۔

سیاسی عدم استحکام کے ساتھ ساتھ مصر کو علمی و فکری میدان میں بھی کئی چیلنجوں کا سامنا تھا۔ علوم و فنون اور افکار و نظریات کا ایک سیلِ رواں تھا جو مغرب کے ساتھ مصر میں داخل ہوا تھا۔ قومیت، مساواتِ انسانی، حقوقِ نسواں، حریتِ فکر، تحکیمِ عقل، دین و سیاست کی تفریق وغیرہ کئی موضوعات و مسائل فکرِ اسلامی میں دخیل ہونے کے لیے دستک دے رہے تھے اور مصریوں کا تمدن و معاشرت بھی اہلِ مغرب سے مرعوبیت کے سبب شکست و ریخت کا شکار تھا۔ ان حالات میں مصریوں کے مستقبل کے تعین میں یہ سوال بڑا اہم تھا کہ آیا وہ مغربی فکر و تہذیب کے سیلِ رواں کے آگے بند باندھ دیں؟ یا اسے چشمۂ صافی تسلیم کر کے اس میں غوطہ زن ہو جائیں؟ یا اس کے اجزائے ترکیبی کو تحلیل کریں اور حیات بخش عناصر قبول کر کے مضر اجزا کو اس کے مرکزِ اصلی کی طرف لوٹا دیں؟

ان تحدیات کے جواب میں متعدد مفکرین و مصلحین نے اہلِ مصر کے سامنے ترقی و اصلاح کے نقوشِ عمل پیش کیے۔ مثلاً قاسم امین (۱۸۶۳ء-۱۹۰۸ء) نے ترقی کے عمل میں خواتین کی شراکت کے لیے مغربی منہاج کو اپنی تالیفات کے ذریعے اپنانے کی دعوت دی۔ علی عبدالرزاق (۱۸۸۸ء-۱۹۶۶ء) نے **الإسلام وأصول الحكم** کے نام سے کتاب لکھی، جس میں انھوں نے دین و سیاست کی تفریق کا نظریہ پیش کیا۔ رشید رضا (۱۸۶۵ء-۱۹۳۵ء) نے علمی و فکری بیداری کے لیے **مجلة المنار** شائع کیا۔ محمد فرید وجدی (۱۸۷۸ء-۱۹۵۴ء) نے اپنی کتاب **المدنية والإسلام** میں دینِ اسلام کو بطورِ اجتماعی ضابطۂ حیات پیش کرتے ہوئے وارد اعتراضات و شبہات

کو رفع کیا۔

اس دور میں اصحابِ فکر و دانش کی تعمیری و اصلاحی جد وجہد کا ایک رُخ عوام الناس کے سامنے فکرِ اسلامی کے منبع و ماخذ قرآن مجید کی تفسیر پیش کرنا بھی نظر آتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ﴿ **إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ** ﴾ [٧] (یہ قرآن اس ہدایت کی رہ نمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔) اور نبی ﷺ کے ارشاد "إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ حَبْلُ اللهِ وَالنُّورُ الْمُبِينُ وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ عِصْمَةٌ لِمَنْ تَمَسَّكَ بِهِ وَنَجَاةٌ لِمَنْ تَبِعَهُ"[٨] (یہ قرآن اللہ کی رسی، واضح نور، فائدہ مند شفا، جو اسی کے ساتھ جڑے اس کے لیے بچاؤ کا سامان اور جو اس کی اتباع کرے اس کے لیے نجات ہے۔) نے صاحبِ بصیرت علما کو اس امر پر ابھارا کہ سیاسی و اجتماعی، تمدنی و معاشرتی، فکری و دینی اضطراب و مسائل کا حل اس نسخۂ شفا سے حاصل کیا جائے جو حیاتِ انفرادی و اجتماعی کے تمام سقم و علل ختم کر دیتا ہے۔ چناں چہ مصر میں مختلف اسالیب کی حامل کلی و جزوی تفاسیر قرآن مرتب ہوئیں۔ مثلاً شیخ محمد عبدہ (م١٩٠٥ء) اور رشید رضا (م١٩٣٥ء) کی **تفسیر المنار**، شیخ طنطاوی جوہری (م١٩٤٠ء) کی **الجواهر في تفسير القرآن الكريم**، احمد مصطفیٰ المراغی (م١٩٥٢ء) کی **تفسير المراغي**، اور سید قطب شہید (م١٩٦٦ء) کی **في ظلال القرآن** وغیرہ منظرِ عام پر آئیں۔

علمائے مصر کی ان تفسیری خدمات کے ساتھ ساتھ مصری مفکرات و عالمات کی مساعی جمیلہ بھی نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔ مثلاً عائشہ بنت الشاطئی، زینب الغزالی، فوقیہ ابراہیم الشربینی اور کریمان حمزہ وغیرہ نے تفاسیر تالیف کیں۔

ان میں اول الذکر دو خواتین اپنے عہد کی قد آور علمی شخصیات ہیں جنھیں عصرِ حاضر میں مفسرات کی سرخیل کہنا بے جانہ ہو گا۔

آئندہ صفحات میں عائشہ بنت الشاطئی اور زینب الغزالی کی تفسیروں کے اسلوب و خصائص کو مختصراً بیان کیا جائے گا۔

٧- القرآن، ١٧: ٩۔

٨- محمد بن عبداللہ الحاکم، **المستدرک علی الصحیحین**، کتاب فضائل القرآن، أخبار في فضل القرآن جملة (بیروت: دار الکتب العلمیة، ١٤٢٢ھ)، رقم: ٢٠٤٠۔

عائشہ عبد الرحمٰن بنت الشاطئ

عائشہ عبد الرحمٰن بنت الشاطئ مصر کی ایک معروف و قابل مصنفہ، محققہ، معلمہ اور مفکرہ تھیں۔ ۱۹۱۳ء میں دمیاط میں پیدا ہوئیں۔ والد عبد الرحمٰن الشاطئ ایک معروف عالم تھے۔ مروجہ طریقے کے مطابق عائشہ بنت الشاطئ نے قرآن کریم حفظ کیا۔ اگرچہ ان کے والد عصری تعلیمی اداروں میں خواتین کی تعلیم کے حامی نہیں تھے لیکن خاندان کے ایک بزرگ کی سفارش کے سبب عصری تعلیم کا حصول ممکن ہوا۔ متنوع مسائل کا جرأت وہمت سے سامنا کرتے ہوئے انھوں نے جامعہ قاہرہ سے عربی زبان وادب میں گریجویشن، ایم-اے اور ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔

قلم وکتاب سے خصوصی لگاؤ کے سبب تدریس اور تصنیف وتالیف ہر دو میدانوں میں ان کی علمی خدمات نمایاں ہیں۔ انھوں نے بحیثیت معلمہ اپنے سفر کا آغاز المنصورہ کے بنات سکول سے کیا۔ ازاں بعد جامعہ قاہرہ اور جامعہ عین شمس میں تدریسی فرائض ادا کیے نیز سوڈان، مراکش، الجزائر، متحدہ عرب امارات، بیروت اور سعودی عرب میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

محترمہ کا شمار مصری صحافت میں قدم رکھنے والی اولین قلم کار خواتین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بنت الشاطئ کے نام سے **مجلة النهضة النسائية** میں لکھنا شروع کیا، مصر کے روزناموں اور ہفتہ وار مجلات میں مضامین اور مختصر کہانیاں لکھیں، بالخصوص جریدہ **الإهرام** سے ان کا تعلق وفات تک قائم رہا۔ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی شرکت کی۔ علمی خدمات کے اعتراف میں بہت سے ایوارڈز ملے، جن میں ایک اہم اعزاز شاہ فیصل عالمی ایوارڈ ہے۔ عربی واسلامی علوم کی خدمت کو اپنا شعار بنانے والے یہ مثالی مفکرہ ومصنفہ دسمبر ۱۹۹۸ء میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئیں۔[۹] ان کا چھوڑا ہوا علمی سرمایہ تقریباً چالیس کتب پر مشتمل ہے جن میں **تراجم سيدات بيت النبوة، مع المصطفىٰ ﷺ، أرض المعجزات، القرآن والتفسير العصري**، اور **التفسير البياني للقرآن الكريم** وغیرہ شامل ہیں۔

۹- بنت الشهباء، "بنت الشاطئ وأدب المرأة المسلمة"،
https://majles.alukah.net/t71938/, accessed December 28, 2017;
سارة الليثى، "عائشة عبدالرحمٰن.. بنت الشاطئ قدوة لفتيات عصرنا"،
http://www.dostor.org/837773, accessed December 28, 2017.

التفسیر البیانی للقرآن الکریم- اسلوب وامتیازات

یہ کسی خاتون کی لکھی ہوئی پہلی تفسیر ہے جو کتابی صورت میں منظرِ عام پر آئی۔[۱۰] بنت الشاطئ نے جزء عم سے چودہ سورتیں منتخب کی ہیں اور اس انتخاب کی وجہ وہ یہ بتاتی ہیں کہ مکی ہونے کی بنا پر ان سورتوں کے موضوع میں وحدت ہے یعنی ان کا موضوعاتی محور دعوتِ اسلامیہ کے اصولِ کبریٰ کا بیان ہے۔[۱۱] یہ تفسیر دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول ۱۹۶۲ء اور جلد دوم ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔ مفسرہ کے پیشِ نظر قرآن کے ادبی وبلاغی محاسن کا بیان اور موضوعاتی مطالعے سے فہمِ قرآن کا ایک منفرد راستہ متعارف کروانا تھا۔ موصوفہ علومِ عربیہ واسلامیہ کو لازم وملزوم سمجھتی تھیں۔ لکھتی ہیں:"لا يصح لدارس فقه الإسلام دون رسوخ في علوم العربية كما لا يصح له رسوخ في العربية دون دراية بعلوم القرآن والإسلام."[۱۲] (عربی علوم میں رسوخ کے بغیر فقہ اسلامی کے مطالعے کا اقدام صحیح نہیں۔ اسی طرح قرآن اور اسلام کے علوم پر گرفت کے بغیر عربیت میں رسوخ صحیح نہیں ہو سکتا۔)

انھوں نے اس امر کا بھی اظہار کیا ہے کہ ہر زبان میں اس کے ادبی شاہ کار ہوتے ہیں جنھیں اس زبان کے اعلیٰ ادبی ذوق کا بہترین نمونہ شمار کیا جاتا ہے۔ عربی زبان کی سب سے عظیم کتاب قرآن مجید ہے۔ ہر وہ شخص جو

۱۰- عادل نویھض نے مفسرات میں زیب النساء بنتِ اورنگ زیب عالم گیر (م ۱۱۱۳ھ / ۱۷۰۷ء) کی **زیب التفاسیر** کا ذکر کیا ہے۔ (عادل نویھض، **معجم المفسرین من صدر الإسلام حتی العصر الحاضر** (بیروت: مؤسسة نويهض الثقافية للتاليف والترجمة والنشر، ۱۹۸۸ء)، ۱: ۱۹۷) لیکن جناب محمد السالک محمد فال اپنے مضمون بہ عنوان "المرأة والتفسير: الحاضر الغائب" میں کہتے ہیں کہ جب میں نے زیب النسا کی تفسیر کا تتبع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تفسیر رازی کا فارسی ترجمہ ہے جو انھوں نے ملا صفی الدین سے کروایا تھا، زیب النساء نے خود قرآن کی تفسیر نہیں کی۔
(http://aafaqcenter.co/index.php/post/1529, accessed December 28, 2017.)
محترم محمد السالک کا بیان صحیح ہے کیوں کہ مطالعۂ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زیب النساء انتہائی علم دوست خاتون تھیں، علما وفضلا سے رابطے میں رہتیں، معروف عالم ملا صفی الدین اردبیلی نے شہزادی کی درخواست پر ہی **تفسیر کبیر** کا فارسی ترجمہ کیا تھا جو شہزادی کی نسبت سے **زیب التفاسیر** کے نام سے مشہور ہوا۔ (محمد ساقی مستعد خان، **مآثرِ عالمگیری**، ترجمہ، محمد فدا علی طالب (کراچی: بک لینڈ، ۱۹۶۱ء)، ۳۶۸- ۳۶۹۔)

۱۱- عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطئ، **التفسير البياني للقرآن الكريم** (قاہرہ: دار المعارف، ۱۹۷۷ء)، ۱: ۱۸۔

۱۲- نفس مصدر، ۱: ۱۱۔

عربی کی لطافت وذوق کا طلب گار ہے وہ یقیناً اسلوبِ قرآن کے اسرار اور تعبیر وادا کے خصائص میں تدبر کرے گا۔[۱۳]

بنت الشاطیؒ نے اس تفسیر میں اپنے منہج کو عقیدت واحترام کے ساتھ اپنے استاد اور رفیقِ حیات امین الخولی (۱۸۹۵ء– ۱۹۶۶ء) کی طرف منسوب کیا ہے۔ مقدمۂ تفسیر کی روشنی میں ان کے منہجِ تفسیر کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- متنِ قرآن میں تدبر و تفکر کرنا۔[۱۴]
- مفردات کا معنی و مفہوم جاننے کے لیے عربی لغت، سیاقِ آیت اور قرآن میں دیگر مقامات میں لفظ کے استعمال پر غور کرنا۔[۱۵]
- آیت میں مفردات کی ترکیب وترتیب پر تدبر کرتے ہوئے اس کے بلاغی وادبی محاسن اور وجوہِ اعجاز کو سامنے لانا۔[۱۶]

قرآن مجید کا موضوعاتی مطالعہ کرنا۔[۱۷]

مفسرین کے ان اقوال کو قبول کرنا جو متنِ قرآن کے مقتضا پر پورے اترتے ہوں۔[۱۸]

اسرائیلیات اور تاویلاتِ باطلہ سے گریز کرنا۔[۱۹]

فہمِ مطالب میں سہولت کے لیے آیاتِ کریمہ کے نزولی پس منظر سے واقف ہونا۔[۲۰]

اسبابِ نزول کے اعتبار میں اس امر کو پیشِ نظر رکھنا کہ یہ وہم سے مبرا نہیں ہیں۔[۲۱]

مذکورہ بالا منہج کے مطابق اس تفسیر کے امتیازی پہلو درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔

۱۳– نفس مصدر، ۱: ۱۳۔

۱۴– نفس مصدر، ۱: ۱۴–۱۵۔

۱۵– نفس مصدر، ۱: ۱۱، ۱۷؛ ۲: ۷–۸۔

۱۶– نفس مصدر، ۱: ۱۴–۱۵، ۱۸؛ ۲: ۷– ۸۔

۱۷– نفس مصدر، ۱: ۱۰، ۱۷، ۱۸۔

۱۸– نفس مصدر، ۱: ۱۱؛ ۲: ۸۔

۱۹– نفس مصدر، ۱: ۱۱، ۱۶؛ ۲: ۸۔

۲۰– نفس مصدر، ۲: ۹۔

۲۱– نفس مصدر، ۱: ۱۰–۱۱، ۲۳؛ ۲: ۸–۹۔

مفرداتِ قرآنیہ کی وضاحت

بنت الشاطیٔ مفردات کی وضاحت کے لیے کتبِ لغت کی طرف رجوع کرتی ہیں پھر دیگر آیات میں اس لفظ کے استعمال پر غور کرتے ہوئے مفہوم متعین کرتی ہیں۔ مثلاً: آیت ﴿وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا﴾[۲۲] (اور زمین اپنے بوجھ نکال دے گی۔) کی تفسیریوں کرتی ہیں کہ ثقل کا مطلب ہے شدید بوجھ۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کہ اصلاً ثقل کا استعمال مادی اور پھر معنوی اعتبار سے ہوتا ہے۔ مادی استعمال میں کہا جاتا ہے کہ عورت نے بوجھ اٹھایا پس وہ بوجھ اٹھانے والی ہوگئی۔ اس نے اپنے پیٹ میں حمل کا بوجھ اٹھایا۔ اور معنوی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اس پر غم اور قرضے کا بوجھ آگیا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ اثقال تین آیات میں مذکور ہے جن میں سے دو آیات میں مادی بوجھ اور ایک آیت میں معنوی بوجھ مراد ہے۔ مادی بوجھ آیت ﴿وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ... الخ﴾[۲۳] (اور وہ تمھارے بوجھ ایسی جگہوں پر پہنچاتے ہیں جہاں تم شدید مشقت کے بغیر پہنچنے والے نہیں بن سکتے۔) اور ﴿وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا﴾[۲۴] (اور زمین اپنے بوجھوں کو باہر پھینک دے گی) میں جب کہ معنوی بوجھ آیت ﴿وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ... الخ﴾[۲۵] (اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ دوسرے لوگوں کے بوجھ بھی۔۔۔) میں بیان ہوا ہے۔[۲۶]

آیت ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾[۲۷] (اور آپ کو ناواقف راہ پایا پھر ہدایت بخشی) میں بنت الشاطیٔ نے ضالا کا مفہوم سیاقِ سورت کی روشنی میں متعین کیا ہے۔ لکھتی ہیں: ضلال کا لغوی معنی راستہ گم ہو جانا ہے۔ یہ ہدیٰ کا متضاد ہے۔ دینی اصطلاح میں ضلال، کفر اور ہدیٰ ایمان کے معنی میں معروف ہے۔ قرآن مجید میں لفظ ضلال کا استعمال ان معنی میں ہوا ہے: بمعنی کفر و باطل: ﴿فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾[۲۸] (حق کے بعد سوائے گم راہی کے کیا رہ جاتا ہے۔) بمعنی راستہ سے بھٹک جانا: ﴿وَمَنۡ كَانَ فِىۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى وَاَضَلُّ

۲۲- القرآن،۹۹: ۲۔

۲۳- القرآن، ۱۶: ۷۔

۲۴- القرآن،۹۹: ۲۔

۲۵- القرآن، ۲۹: ۱۳۔

۲۶- بنت الشاطئ، مصدر سابق، ۱: ۸۴۔

۲۷- القرآن، ۹۳: ۷۔

۲۸- القرآن،۱۰: ۳۲۔

﴿سَبِيْلًا﴾ [۲۹] (جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو اوہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور گم راہ ہو گا۔)

اس کے بعد بنت الشاطیؒ نے ضالاً کے مفہوم میں مفسرین کے اقوال کا ذکر کرتے ہوئے تنقید کی ہے کہ جن حضرات نے ضلال کا مطلب کفر لیا ہے تو ہمیں ایسی تاویلات کی کوئی حاجت نہیں ہے، کیوں کہ قرآن میں ضلال ہمیشہ اپنے اصطلاحی معنی کفر میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ لغوی معنی "راستے سے بھٹکنا" کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ حضرت یوسف عَلَيْهِ السَّلَام کے بھائیوں نے اپنے والد سے کہا: ﴿تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾ [۳۰] (اللہ کی قسم آپ تو اپنی پرانی غلطی پر ہیں۔) اور ﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ﴾ [۳۱] (بے شک ہمارا والد واضح غلطی پر ہے۔) اسی طرح حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام نے کہا: ﴿قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ [۳۲] اسی ذیل میں یہ آیت ہے: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى﴾ [۳۳] (تم دو گواہ رکھ لیا کرو اپنے مردوں میں سے۔ پھر اگر دو مرد نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہی کافی ہیں، ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرو گواہی کے لیے، تاکہ ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔) مزید کہتی ہیں کہ مفسرین کا یہ قول بھی مناسب نہیں ہے کہ نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب چھوٹے تھے تو مکہ کی گھاٹیوں میں گم ہو گئے تھے یا شام کی طرف سفر کے دوران گم ہو گئے تھے۔ یہ بات عجیب ہے کہ نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو جب رسالت سے سرفراز کیا گیا تو ان پر بچپن میں کی گئی نعمت کا اس موقع پر ذکر کیا جا رہا ہو۔ ہمارے نزدیک ضالا کا مفہوم یہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ [۳۴] (تجھے علم نہ تھا کہ کتاب و ایمان کیا ہوتا ہے۔) یعنی نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بعثت سے قبل عالمِ حیرت و جستجو میں تھے۔ اپنی قوم کے حالات سے بے چین صراطِ مستقیم کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صراطِ مستقیم کی طرف رہ نمائی فرمائی اور انھیں نبوت سے سرفراز کیا۔ [۳۵]

۲۹- القرآن، ۱۷: ۷۲۔

۳۰- القرآن، ۱۲: ۹۵۔

۳۱- القرآن، ۱۲: ۸۔

۳۲- القرآن،۲۶: ۲۰۔

۳۳- القرآن،۲: ۲۸۲۔

۳۴- القرآن، ۴۲: ۵۲۔

۳۵- بنت الشاطیٔ،التفسير البياني،۱: ۴۴-۴۶۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنت الشاطیٔ عربی لغت، قرآن حکیم کے اسلوب بیان اور سورت کے سیاق پر غور وفکر کرتے ہوئے مطالب بیان کرتی ہیں۔وہ استخراج مفاہیم کے لیےروایات ماثورہ پر انحصار نہیں کرتیں۔مذکورہ بالا مثال میں وہ تفسیرِ رازی میں مذکور تاویلات کہ ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ سے یہ مراد بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبلہ وہجرت وغیرہ کے بارے میں رہ نمائی کی گئی، کی تردید کرتی ہیں۔

آیت ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ [۳۶] میں وہ "شرح صدر" سے دیگر آیات [۳۷] کی روشنی میں ایمان، ہدایت، نور ومعرفتِ حق مراد لیتی ہیں۔اور بحوالہ تفسیر **البحر المحیط** حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول واقعۂ شق صدر کو آیت ہذا کی صحیح تاویل شمار نہیں کرتیں۔[۳۸]

آیت ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ [۳۹] (اس دن وہ اپنے حالات بیان کر دے گی۔) کی وضاحت میں قیامت کے دن زمین کے احوال وواقعات بیان کرنے کو قرآن حکیم کے معجزانہ اسلوب پر محمول کرتی ہیں جیسا کہ کئی مقامات پر قرآن حکیم نے جمادات کو زندہ ناطق وجود کے طور پر ذکر کیا ہے۔[۴۰] اس اسلوب بیان کے مطابق یہاں روزِ قیامت زمین پر رونما ہونے والے تغیرات وحوادث اور قیامت کی ہولناکیوں کا اظہار کیا گیا ہے۔[۴۱] بنت الشاطیٔ نے آیت کی تفسیر میں منقول حدیث کہ اس سے مرادروز قیامت زمین کا لوگوں کے ان اعمال کے بارے میں بتانا ہے جو اس پر کیے گئے ہیں،[۴۲] ذکر کرتے ہوئے اسے فہم آیت کی اساس نہیں بنایا۔[۴۳]

ان تفسیری نکات کے تجزیے کے لیے اسلاف کے تفسیری ذخیرے کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے:

۳۶- القرآن، ۹۴: ۱۔

۳۷- القرآن،۶: ۱۲۵؛ ۱۶: ۱۰۶؛ ۳۹: ۲۲۔

۳۸- بنت الشاطئی، مصدر سابق،۱: ۵۸-۶۰۔

۳۹- القرآن، ۹۹: ۴ ۔

۴۰- القرآن،۱۲: ۲۵؛ ۶۷: ۷؛ ۷۰: ۱۷۔

۴۱- بنت الشاطئی، مصدر سابق، ۱: ۸۷-۸۸۔

۴۲- *محمد بن عیسیٰ الترمذی*، **الجامع**، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة إذا زلزلت الأرض (ریاض: دارالسلام، ۲۰۰۹ء)، رقم: ۳۳۵۳۔

۴۳- بنت الشاطئی، مصدر سابق،۱: ۸۷-۸۸؛مزید مثالوں کے لیے دیکھیے:مصدر سابق،۱: ۶۳،۹۱،۹۶،۱۱۱،۱۱۲۔

(i) تفسیر رازی میں مذکور ہے کہ ضالا سے کفر مراد نہیں ہے۔ جن حضرات نے یہ معنی لیا ہے درست نہیں ہے۔ علما کا اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ لحظہ بھر کو بھی حالت کفر میں نہیں رہے۔ بنت الشاطئ نے اس صراحت کا حوالہ نہیں دیا۔ نیز مفسرہ نے جن آیات سے استدلال کرتے ہوئے نبوت اور احکام شریعت کے معانی بیان کیے ہیں، تفسیر رازی میں بھی ان آیات کی روشنی میں ایک توجیہ یہ کی گئی ہے۔امام رازیؒ نے مزید انیس توجیہات ذکر کی ہیں،(۴۴) جنھیں علم سیرت کی روشنی میں نبی کریم ﷺ پر اللہ کے انعامات کے تحت شمار کرنے میں حرج نہیں ہے۔

(ii) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (م۶۰۴ھ)، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (م۶۷۱ھ)، امام ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (م۷۴۵ھ)، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (م۷۷۴ھ)، اما م جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م۹۱۱ھ) نے شرح صدر سے آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ کی روشنی میں اول: واقعہ شق صدر، دوم: قلب نبی ﷺ کو ایمان، علوم و حکمت سے معمور کرنا اور راحت و وسعت عطا فرمانا، دونوں امور مراد لیے ہیں۔ نیز ثانی الذکر کا استدلال ان آیات ہی سے کیا ہے جنھیں بنت الشاطئ نے بہ طور استشہاد پیش کیا ہے۔(۴۵) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م۲۵۶ھ) اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م۲۷۹ھ) نے **الجامع** کی **کتاب التفسیر** میں دونوں معانی کی حامل روایات نقل کی ہیں۔(۴۶) ہم کہہ سکتے ہیں کہ تفسیر و تفہیم قرآن کے ایک معتمد ماخذ اقوالِ صحابہ(۴۷) کی رو

۴۴- فخر الدین محمد بن عمر الرازی، **مفاتیح الغیب** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۱ھ)، ۳۱: ۲۱۶-۲۱۸۔

۴۵- نفس مصدر، ۳۲: ۲- ۳؛ ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، **الجامع لأحكام القرآن** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۲۷ھ)، ۲۲: ۳۵۴- ۳۵۵ ؛ محمد بن یوسف ابو حیان اندلسی، **البحر المحيط في التفسير** (بیروت: دارالکتب العلمية، ۱۴۱۳ھ)، ۸: ۴۸۳؛ اسماعیل بن عمر ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم** (بیروت: دار ابن حزم، ۱۴۲۰ھ)، ۲۰۰۷- ۲۰۰۸؛ جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر السیوطی، **الدر المنثور في التفسير بالمأثور** (قاہرہ: مركز هجر للبحوث والدراسات العربيه والإسلامية، ۱۴۲۴ھ)، ۱۵: ۴۹۵- ۴۹۷۔

۴۶- محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، سورة الم نشرح لک صدرک (ریاض: دارالسلام، ۱۴۱۹ھ)، ۸۸۵؛ محمد بن عیسی الترمذی، **الجامع**، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة ألم نشرح لک صدرک، رقم: ۳۳۴۶۔

۴۷- احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، **مقدمة في أصول التفسير** (دمشق: مطبعة الترقي، ۱۳۵۵ھ)، ۲۵- ۲۶؛ محمد بن عبد اللہ بدر الدین الزرکشی، **البرهان في علوم القرآن** (قاہرہ: دارالحدیث، ۲۰۰۶)، ۴۲۱؛ خالد بن عثمان السبت، **قواعد التفسير** (مصر: دار ابن عفان، ۱۴۲۱ھ)، ۱: ۱۵۸، ۱۷۷، ۱۸۶۔

سے واقعہ شق صدر کو آیت زیر بحث کی شرح قرار نہ دینا تفسیر بنت الشاطیٔ کی انفرادیت ہے۔

(iii) مفسرہ نے زمین کا قیامت کے دن خبریں دینے کے بارے میں حدیث رسول ﷺ کو ترجیح دینے کے برعکس اپنے مقررہ منہج کے تابع معانی اخذ کیے ہیں۔ یہ طرز تفسیر جمہور علما کے معمول بہ تفسیری قاعدہ "إذا عرف التفسيرمن جهة النبي صلى الله عليه وسلم فلاحاجة إلى قول من بعده"[۴۸] کی روشنی میں **التفسير البياني** کے تفردات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

آیات کو ظاہری معانی پر محمول کرنا

بنت الشاطیٔ آیات سے متبادر مفہوم اختیار کرتی ہیں۔وہ تفہیم آیات کے لیے قرآن حکیم کے ظاہری اسلوب بیان پر اکتفا کی قائل نظر آتی ہیں، اسی لیے ماثورات کی روشنی میں تعبیر وتوضیح کو اہم نہیں سمجھتیں۔ تشریحی نکات جو دیگر تفاسیر میں منقول ہیں لیکن قرآن حکیم کا ظاہری اسلوب و الفاظ ان پر دلالت نہیں کرتے وہ انھیں قبول کرنے سے گریز کرتی ہیں۔ مثلاً: آیت ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾[۴۹] (ہرگز نہیں عن قریب تم جان لوگے، پھر ہرگز نہیں عن قریب تم جان لوگے۔) کی تشریح میں لکھتی ہیں کہ کتبِ تفسیر میں یہ تعبیرات بھی مذکور ہیں کہ اول الذکر آیت کفار کے حق میں وعید اور ثانی الذکر مومنین کے حق میں انعام واکرام کے لیے ہے۔ اول الذکر آیت موت کے وقت اور ثانی الذکر قبر کے بارے میں ہے۔ پہلی آیت کا تعلق قبر اور عذابِ قبر؛ جب کہ دوسری آیت کا تعلق بعث بعد الموت اور عذابِ قیامت سے ہے۔ثم جو تاخیر کا فائدہ دیتا ہے اس کی بنیاد پر مفسرین نے یہ وضاحت کی ہے، جب کہ سیاقِ سورت کو دیکھا جائے تو مخاطبین وہ لوگ تھے جو بہتات کی حرص میں مبتلا ہیں۔ یہاں ثم انذار میں مبالغے کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ناصح، منصوح کو کہتا ہے کہ أقول لک ثم أقول لک لا تفعل هذا۔ اپنی یہ راے بیان کرنے کے بعد بنت الشاطیٔ نے سیاقِ آیات اور قرآن مجید میں لفظ علم کے استعمال کے شواہد کی بنیاد پر معانی اخذ کیے ہیں۔ بنت الشاطیٔ کے مطابق آیت ہذا میں تعلمون کہا گیا یہ نہیں فرمایا گیا تعرفون۔ کسی شے کا اس کی حقیقت کے ساتھ ادراک کرنے کا نام علم ہے۔ عربی لغت میں اپنے

۴۸- نفس مرجع، ۱: ۱۴۹۔

۴۹- القرآن، ۱۰۲: ۳-۴۔

مادے کے اعتبار سے یہ لفظ حسی معنی کا حامل ہے۔ کہا جاتا ہے:العلمة، العلم: ہونٹ کے اوپر والے حصہ پر کٹنے کا نشان ظاہر ہے۔ علمه، العلامة: نشان لگانا۔ العلم: راستے میں اونچی چیز جو راستے کا پتا دیتی ہے اور العلم: اونچے پہاڑ کو بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ علم کسی شے کی ایسی معرفت ہے جو انتہائی واضح اور قوی ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: "علم الشيء إذا أدركه حق إدراكه وهو علم به إذا انكشفت له حقيقته" علم کی اس معنوی خصوصیت کے ساتھ دیکھا جائے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اسم عالم کے ساتھ موصوف کیا ہے، عارف کے ساتھ نہیں۔ علیم اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور جو علم اللہ کے ساتھ مختص ہوا ہے وہ خفی، غیبی، پوشیدہ، علانیہ غرض ہر طرح کا علم ہے۔ ﴿أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾[۵۰] (بے شک اللہ جانتا ہے ان امور کو جنھیں تم چھپاتے ہو اور جنھیں ظاہر کرتے ہو۔) ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾[۵۱] (اور وہ جانتا ہے ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔) قرآن مجید میں علم کی نسبت جب بشر کی طرف کی گئی تو اس سے مراد علمِ کسبی ہے۔ نیز جہاں یومِ آخرت سے ڈرایا گیا وہاں بھی علم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔[۵۲] یہاں فرمایا گیا ہے کہ اس دن کے آنے سے ڈرو جب تم پر وہ حقیقت مکمل طور سے منکشف ہو جائے گی جو آج تم سے مخفی ہے۔ بہتات کی حرص کے سبب تم غفلت و ہلاکت کا شکار ہو، تمھیں زیارتِ مقابر سے قبل متنبہ کیا جا رہا ہے، اس سے مفر ممکن نہیں یہاں پہنچ کر حقیقت کا علم ہو جائے گا۔[۵۳]

آیت ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾[۵۴] (اور البتہ عن قریب تجھے تیرا رب عطا کرے گا تو راضی ہو جائے گا۔) کی تفسیر کرتے ہوئے بنت الشاطیؒ کہتی ہیں کہ قرآن مجید عطائے ربانی کی صراحت کے حوالے سے خاموش ہے۔ اس معاملے میں رضائے رسول ﷺ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ لہٰذا روا نہیں کہ ہم مطلق اور عام عطائے ربانی جس کا آیت میں وعدہ کیا گیا ہے کی تحدید و تعبیر میں مشغول ہوں جیسا کہ متعدد مفسرین مثلاً امام

۵۰۔ القران،۲: ۷۷۔

۵۱۔ القران،۶۴: ۴۔

۵۲۔ مثلاً: القران،۱۵: ۳،۹۶؛ ۲۹: ۶۶؛ ۴۳: ۸۹۔

۵۳۔ بنت الشاطیٔ، التفسير البياني،ا: ۲۰۱- ۲۰۴۔

۵۴۔ القرآن،۹۳: ۵۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔[۵۵] مفسرہ کا یہ موقف جمہور مفسرین سے منفرد دکھائی دیتا ہے۔ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ (م۳۱۰ھ) نے اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں آخرت میں انعام واکرام عطا ہونا ذکر کیا ہے۔[۵۶] اسی شرح کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔[۵۷] وہ آخرت کے جملہ انعامات شفاعت، مغفرت وغیرہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بہ کثرت احادیث شفاعت اور موحدین کی مغفرت کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر دلیل ہیں۔ منقولات پر انحصار کے ساتھ لکھتے ہیں: "و دلت هذه الآية على أنه تعالى يعطيه كل ما يرتضيه"[۵۸] یہی جمہور کا مسلک ہے کہ وہ آیات کی تفہیم و تفسیر کے لیے اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اعتماد کرتے ہیں اور انھیں قبول کرنے کے ساتھ عطا و رضا میں وسعت کے بھی قائل ہیں۔[۵۹]

آیت ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾[۶۰] (تو جب فارغ ہوا کرو تو ریاضت میں لگ جایا کریں۔) کی تفسیر میں کہتی ہیں کہ مقامِ اطلاق کی تحدید میں سکوت قرآن حکیم کا انداز بیان ہے، اسی لیے فرغت اور فانصب کی توضیح و تحدید کی ضرورت نہیں ہے جیسے عام طور سے مفسرین کی عادت ہے۔ وہ سیاقِ سورت کی بنیاد پر یہ مفہوم متعین کرتی ہیں کہ عسر (تنگی) کے بعد **یسر** (آسانی) کی فراغت ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کرب و غم میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے اسے شرح صدر اور جس بوجھ کو محسوس کرتے تھے اسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت سے بدل کر راحت و سکون عطا فرمایا۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پریشانی اور بوجھ سے فارغ ہو گئے ہیں لہٰذا انھیں فرائضِ

۵۵- بنت الشاطئ، مصدر سابق، ا: ۳۸- ۴۰۔

۵۶- محمد بن جریر الطبری، **جامع البيان عن تاويل آي القرآن** (قاہرہ: مركز البحوث والدراسات العربية والإسلامية بدار هجر، ۲۰۰۱ء)، ۲۴: ۴۸۷- ۴۸۸۔

۵۷- الرازی، **مفاتيح الغيب**، ۳۱: ۲۱۳-۲۱۴۔

۵۸- نفس مصدر۔

۵۹- عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی، **زاد المسير في علم التفسير** (بیروت: دار ابن حزم، ۲۰۰۲ء)، ۱۵۶۲؛ القرطبی، **الجامع لأحكام القرآن**، ۲۲: ۳۴۰-۳۴۲؛ ابوحیان، **البحر المحيط**، ۸: ۴۸۱؛ السیوطی، **الدر المنثور**، ۱۵: ۴۸۴- ۴۸۵؛ نواب صدیق حسن خان، **فتح البيان في مقاصد القرآن** (بیروت: المكتبة العصرية، ۱۹۹۲ء) ۱۵: ۲۷۷-۲۷۹۔

۶۰- القرآن، ۹۴: ۷۔

رسالت ادا کرنے کی طرف متوجہ ہونا ہے۔[۶۱] عائشہ بنت الشاطئ کا بیان کردہ یہ مفہوم صحابہ و تابعین کی توضیحات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کی تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ امور و فرائض (نماز، تبلیغ دین وغیرہ) سے فارغ ہوں تو اپنے رب کی عبادت و دعا میں مشغول ہو جائیں۔یعنی ایک عبادت سے فراغت کے بعد دوسری عبادت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔[۶۲] امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ماقبل آیات سے ربط کی روشنی میں صراحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کا شکر بجالانے کے لیے رب تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[۶۳]

جمہور علما اس ضابطہ ٔ تفسیر "قول الصحابي مقدم على غيره في التفسير و إن كان ظاهر السياق لا يدل عليه"[۶۴] کے التزام پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہلِ زبان ہونے کی بنا پر عربی زبان کے سب سے زیادہ جاننے والے، نزولِ قرآن کے حالات و قرائن کے شاہد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن حکیم کا علم و فہم حاصل کرنے والی اولین جماعت ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض یاب ہونے والے تابعین نے آئندہ لوگوں تک اس علم و فہم کو منتقل کیا اور یوں یہ سلسلہ عہد بہ عہد بہ تدریج جاری رہا۔اسی وجہ سے جمہور علما صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر کو فوقیت دیتے ہیں، "عليک بالأثر"[۶۵] کے قائل ہیں اور اس کے برعکس روش اختیار کرنا درست نہیں سمجھتے۔[۶۶] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ بنت الشاطئ کا منہج و طرزِ استدلال اس پہلو سے بھی تفردات کا حامل ہے۔

۶۱- بنت الشاطئ، **التفسير البياني**، ا: ۴۷؛ مزید دیکھیے: نفس مصدر، ا: ۲۱۰- ۲۱۱۔

۶۲- طبری، مصدر سابق، ۲۴: ۴۹۷- ۴۹۹؛ رازی، مصدر سابق، ۳۲: ۷؛ قرطبی، مصدر سابق، ۲۲: ۳۶۰- ۳۶۱؛ ابوحیان، مصدر سابق، ۸: ۴۸۴؛ سید محمود بغدادی آلوسی، **روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني** (بيروت: دارإحياء التراث العربي، س۔ن)، ۳۰: ۱۷۱- ۱۷۲۔

۶۳- رازی، مصدر سابق، ۳۲: ۷۔

۶۴- السبت، قواعد التفسیر، ا: ۱۸۶۔

۶۵- جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر السیوطی، **صون المنطق والكلام عن فني المنطق والكلام** (مصر: دار النصر، س۔ن)، ا: ۱۰۰۔

۶۶- ابن تیمیہ، **مقدمة في أصول التفسير**، ۲۵-۲۸؛ الزرکشی، **البرهان في علوم القرآن**: ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۳۲، السیوطی، **صون المنطق**، ا: ۲۱۸؛ فہد بن عبد الرحمن الرومی، **بحوث في أصول التفسير و مناهجه** (رياض: مكتبة التوبة، ۱۴۱۹ھ)، ۱۹- ۳۴، ۷۱، ۷۷-۷۸۔

سببِ نزول

بنت الشاطئ کے نزدیک اسبابِ نزول وہ ایام وپس منظر ہے جس میں سورت یا آیت نازل ہوئی۔ آیات کے معانی و مفاہیم کا سببِ نزول پر منحصر ہونا ضروری نہیں ہے۔(۶۷) انھوں نے تفسیر کرتے ہوئے سببِ نزول کو کبھی بنیادی حیثیت دی ہے اور کبھی نظر انداز کیا ہے، جیسا کہ درج ذیل آیات کی تفسیر سے واضح ہوتا ہے۔

آیت ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾(۶۸) (نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ناراض ہوا) کی تفسیر میں لکھتی ہیں کہ اس سورت کا سببِ نزول بعثتِ رسول ﷺ کے ابتدائی دور میں وحی کا تاخیر سے آنا ہے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کو یہاں تک کہا گیا کہ ان کے رب نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور ناراض ہو گیا ہے۔ معاملے کا جوہر اور مرکزی نکتہ وحی کا تاخیر سے آنا ہے۔ اس سلسلے میں مفسرین سے منقول روایات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی میں تاخیر کی وجہ کیا تھی، اللہ تعالیٰ کے نبی کریم ﷺ سے ناراض ہونے اور چھوڑ دینے کا طعنہ دینے والے کون تھے، اس کی مدت کتنی تھی وغیرہ، غیر ضروری تفصیلات ہیں۔ قرآن حکیم ان جزئی امور کے بارے میں خاموش ہے۔ قرآن حکیم کا یہ سکوت دلیل ہے کہ وحی میں تاخیر کے اسباب سے متعلق ان جزئی تفصیلات کی طرف توجہ نہ کی جائے۔(۶۹)

بنت الشاطئ نے اسی آیت میں وماقلی کی وضاحت اسے سورت کے ایامِ نزول کے ساتھ مختص کرتے ہوئے کی ہے۔ فرماتی ہیں کہ یہاں ضمیر ک کے بغیر قلی لانے کی ایک توجیہ مفسرین نے یہ پیش کی ہے کہ قلی مطلق استعمال ہوا ہے اور مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ، آپ ﷺ کے اصحاب اور آپ ﷺ کی امت میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ عالی سے دور اور ناراضی کی صف میں شامل نہیں فرمائے گا۔ وہ اس توجیہ کی تردید یوں کرتی ہیں کہ سورت کے نزول کو دیکھا جائے تو فترتِ وحی کے بعد خطاب رسول اکرم ﷺ سے ہے، لہٰذا معانی کو جو وسعت دی گئی ہے سیاقِ صریح اس کی اجازت نہیں دیتا۔(۷۰)

۶۷- بنت الشاطئ، التفسير البياني، ۱: ۲۳۔

۶۸- القرآن، ۹۳: ۵۔

۶۹- بنت الشاطئ، مصدر سابق، ۱: ۳۴-۳۶۔

۷۰- نفس مصدر۔

سورۃ العلق کی آیات ﴿اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡهٰی ۙ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی...الخ﴾[۷۱] (کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو روکتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔۔۔) کی تشریح میں بنت الشاطئ کہتی ہیں کہ مفسرین کے مطابق یہ آخر سورت تک ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئیں، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنے کے ساتھ کہ یہ آیات ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئیں، کہتے ہیں کہ الفاظ کے عموم کا اعتبار کرتے ہوئے ان آیات کو ہر اس انسان پر محمول کیا جائے گا جو ان مذموم صفات کا حامل ہو۔ اس کے بعد بنت الشاطئ تفسیر رازی کے ان دونوں نکات سے اتفاق کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ آیات کا مفہوم الفاظ کی عمومیت پر محمول کرنے میں سببِ نزول کی خصوصیت مانع نہیں ہے۔[۷۲]

آیت﴿اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ﴾[۷۳] کی تفسیر میں کہتی ہیں کہ الانسان کی وضاحت میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اسے عموم پر محمول کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ آیت مشرکین ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، جو کہا کرتے تھے کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم خسارے میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالی کی نفی کی ہے۔ اس کے بعد بنت الشاطئ نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ ان اختلافی روایات پر معانی کو موقوف نہیں کیا جائے گا بلکہ لفظ الإنسان میں جنس کی عمومیت کا اعتبار کرتے ہوئے اسے ہر انسان پر محمول کریں گے۔[۷۴]

کتب تفسیر سے اخذ واستفادہ

عائشہ بنت الشاطئ نے متعدد کتبِ تفسیر کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ جن تفاسیر کا بالعموم ذکر کرتی ہیں ان میں علامہ طبری (م ۳۱۰ھ) کی **جامع البیان**، امام رازی (م ۶۰۴ھ) کی **مفاتیح الغیب**، علامہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) کی **الکشاف**، محمد عبدہ (م ۱۳۲۳ھ) کی **تفسیر جزء عم** وغیرہ شامل ہیں، لیکن متقدمین و معاصرین کے ذخیرۂ علمی کی طرف رجوع سے مفسرہ کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ وہ ان میں مذکور تفسیری نکات سے اتفاق کریں۔

۷۱۔ القرآن، ۹۶: ۹-۱۹۔

۷۲۔ بنت الشاطئ، مصدر سابق، ۲: ۲۶-۲۷۔

۷۳۔ القرآن، ۱۰۳: ۲۔

۷۴۔ بنت الشاطئ، مصدر سابق، ۲: ۸۰- ۸۱؛ مزید دیکھیے: نفس مصدر، ۲: ۳۹- ۴۰۔

موصوفہ ایک آزاد فکر مجتہدہ کی حیثیت میں انھیں اپنے منہجِ تفسیر پر پرکھتے ہوئے قبول یارد کرتی ہیں۔ مثلاً: آیت ﴿وَجِاْيٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ﴾ (۷۵) (اور جس روز جہنم کو سامنے لایا جائے گا) کی تفسیر یوں کرتی ہیں کہ اس سے مراد دیگر آیات (۷۶) کی روشنی میں قیامت کے دن جہنم کا ظاہر ہونا ہے لیکن مفسرین نے عجیب تاویلات و مرویات نقل کی ہیں جن کی طرف قرآن حکیم میں کوئی اشارہ موجود نہیں ہے۔ (۷۷) بنت الشاطیٔ نے آیت ہذا کی وضاحت میں مذکور روایات بحوالہ تفسیر طبری نقل کی ہیں مگر انھیں تفہیمِ مطالب کے لیے قابل توجہ شمار نہیں کیا۔ بنت الشاطیٔ کے برعکس جمہور مفسرین نے اخبارِ غیب پر مشتمل ان منقولات کو قبول کیا ہے جیسا کہ روایت میں کہا گیا ہے کہ روزِ قیامت جہنم کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ کر لا رہے ہوں گے۔ (۷۸)

آیت ﴿وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا﴾ (۷۹) (اور انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا ہے۔) کی تشریح میں بنت الشاطیٔ نے مفسرین کے اس بیان کو کہ یہاں انسان سے مراد کافر ہے، درست قرار نہیں دیا۔ عائشہ بنت الشاطیٔ کے مطابق انسان کی تخصیص کافر سے کرنا عربی لغت اور قرآن حکیم میں لفظ انسان کے استعمال کی بنیاد پر صحیح نہیں ہے۔ حوادثِ قیامت کا مشاہدہ کرنے والا خواہ کافر ہو یا مومن وہ دہشت و تعجب کی کیفیت میں یہ سوال کرے گا۔ (۸۰)

ائمۂ کرام کی کتب تفسیر کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین عظام نے آیات قرآنیہ سے استشہاد اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین عظامؒ کے اقوال کی روشنی میں دو نکات ذکر کیے ہیں:

(i) یہ کافر کا قول ہو گا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے: ﴿قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ (۸۱) (وہ کہیں گے ہائے ہماری بربادی، کس نے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے اٹھالیا۔) کیوں کہ کافر بعث بعد الموت پر

۷۵۔ القرآن، ۸۹: ۲۳۔

۷۶۔ القرآن، ۲۶: ۹۱؛ ۷۹: ۳۶۔

۷۷۔ بنت الشاطئی، مصدر سابق، ۲: ۱۵۶-۱۵۷۔

۷۸۔ الطبری، **جامع البیان**، ۲۴: ۳۸۹؛ ابن الجوزی، **زاد المسیر**، ۱۵۴۹:؛ القرطبی، **الجامع لأحکام القرآن**، ۲: ۲۸۲؛ ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، ۱۹۹۴- ۱۹۹۵؛ آلوسی، **روح المعاني**، ۳۰: ۱۲۸۔

۷۹۔ القرآن، ۹۹: ۳۔

۸۰۔ بنت الشاطی، مصدر سابق، ۱: ۸۶- ۸۷؛ مزید مثالوں کے لیے دیکھیے: نفس مصدر، ۱: ۸۶، ۹۲-۹۳، ۹۵۔

۸۱۔ القرآن، ۳۶: ۵۳۔

ایمان نہیں رکھتا۔جب کہ مومن ایمان کے سبب کہے گا ﴿هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ (۸۲) (یہ وہ چیز ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔)

(ii) یہ آیت مومن اور کافر کے حق میں عام ہے۔ ہر انسان جو غفلت و جہالت میں مبتلا رہا وہ خوف اور دہشت سے یہی کہے گا۔ یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ نفخۂ اولیٰ کے وقت جب قیامت کے آثار کی ابتدا ہو گی اس وقت ہر انسان ایک دوسرے سے یہ سوال کرے گا یہاں تک کہ مومن کو وقوع قیامت کا علم ہو جائے گا اور زلزلے کے مرحلے پر یہ سوال صرف کافر کریں گے۔(۸۳)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ عائشہ بنت الشاطیؒ نے اسلاف کی توضیحات و تشریحات سے اخذ واستفادے کے لیے اپنے منہج کو معیار مقرر کیا ہے۔اسی کے مطابق وہ اسلاف کے تفسیری نکات پر نقد و جرح اور رد کرتی ہیں۔یہ طریقۂ تفسیر جمہور کے قاعدہ " فهم السلف للقرآن حجة يحتكم إليه لا عليه."(۸۴) کی رو سے بنت الشاطیؒ کے تفردات میں سے ایک تفرد نظر آتا ہے۔

التفسیر البیانی میں مفسرین عظام کے صرف ان تشریحی نکات کو قبول کیا گیا ہے جو بنت الشاطیؒ کے مقررہ معیار سے مطابقت رکھتے ہوں۔ مثلاً ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (۸۵) (پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) اور ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ (۸۶) (پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے) کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ مفسرین کے مطابق پہلی آیت میں اقرأ کا مفہوم یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ خود پڑھیے اور دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ تبلیغ کیجیے۔ یا پہلی آیت میں اقراء بمعنی تعلم اور دوسری آیت میں بمعنی تعلیم ہے۔ یا پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ نمازوں میں بھی قرآن پڑھیے اور دوسری آیت میں فرمایا کہ

۸۲- نفس مصدر۔

۸۳- الطبری، **جامع البيان**،۲۴: ۵۵۹؛ ابن الجوزی، **زاد المسير**،۷: ۱۵۷۷؛ الرازی، **مفاتيح الغيب**،۳۲: ۵۹؛ ابو حیان، **البحر المحيط**،۸: ۴۹۷۔

۸۴- السبت، **قواعد التفسير**،۱: ۲۰۶؛ نیز دیکھیے : القرطبی، **الجامع لأحكام القرآن**،۱: ۵۷-۵۹؛ السیوطی، **صون المنطق**،۱: ۱۱۷،۱۹۴۔

۸۵- القرآن،۹۶: ۱۔

۸۶- القرآن، ۹۶: ۳۔

نمازوں کے علاوہ بھی قرآن پڑھیے۔ اس کے بعد وہ کہتی ہیں کہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے تمام اقوال باہم قربت رکھتے ہیں۔ ظاہری سیاق کے پیشِ نظر اس سے اقرأ کے حکم پر تاکید کا فائدہ ہے۔[۸۷]

بلاغی وادبی محاسن

تفسیر ہذا میں بنت الشاطئ کی سعی کا محور اسلوبِ قرآن کی حلاوت، شیرینی اور لطائف کو قاری پر منکشف کرنا تھا۔ مفسرہ نے اسلوبِ قرآن کے خصائص اور بلاغی وادبی محاسن کو عمدگی سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

آیت ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾[۸۸] (جب زمین اپنے زلزلے سے ہلا دی جائے گی۔) کی تفسیر یوں کرتی ہیں کہ یومِ آخرت کے حوادث کے اس ذکر میں فاعل کے بیان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے حادثے کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں دیگر مقامات پر بھی بیانِ آخرت میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّاۙ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّاۙ﴾[۸۹] (جب لرزا اٹھے گی یہ زمین تھرتھرا کر اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔) ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًاۙ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًاۙ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا﴾[۹۰] (جس روز صور میں پھونکا جائے گا اور تم آؤ گے فوج در فوج اور آسمان کھول دیا جائے گا تو دروازے دروازے بن کر رہ جائے گا اور پہاڑ چلا دیے جائیں گے اور وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے۔) حوادثِ قیامت کے بیان میں فاعل کے بغیر فعل مجہول کا صیغہ لانا مطاوعت ومجاز ہے۔[۹۱] جن مفسرین نے فعل مجہول کی یہ تاویل کی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فاعلِ حقیقی ہے اور فاعلِ حقیقی کا علم ہونے کی وجہ سے فاعل کو حذف کیا گیا ہے، انھوں نے یومِ آخرت کے حوادث کے بیان میں اسلوبِ قرآن پر غور نہیں کیا۔ قرآن میں بہت سے ایسے افعال مذکور ہیں جن کی

۸۷- بنت الشاطی، مصدر سابق، ۲: ۲۰۔

۸۸- القرآن، ۹۹: ۱۔

۸۹- القرآن، ۵۶: ۴، ۵۔

۹۰- القرآن، ۷۸: ۱۸- ۲۰۔

۹۱- مطاوعت: ایک فعل کے عمل یعنی دوسرے فعل کو اس طرح لانا ہے جس سے ظاہر ہو کہ مفعول نے فاعل کے اثر کو قبول کر لیا ہے۔ مجاز: اس کی ایک قسم مجازِ عقلی ہے جس میں فعل کی نسبت فاعلِ حقیقی کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ مکان ومصدرِ فعل، زمانۂ فعل یا سببِ فعل کی طرف کر دی جاتی ہے۔ مطاوعت ومجاز کلام کی دل فریبی بلاغت کے مؤثر اسلوب ہیں۔

بابت معلوم ہے کہ ان کا فاعل اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ لیکن ان مقامات پر فاعل کے یقینی علم ہونے کے باوجود صیغۂ فاعل مذکور ہے، جیسا کہ آیات: ﴿نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ﴾ [۹۲] (اس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا۔) ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [۹۳] (جسے چاہتا ہے گم راہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔) ﴿وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [۹۴] (اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔) لہٰذا **سورۃ الزلزال** کی اس آیت میں فاعل محذوف ہونے کی وجہ قرآن کا اسلوب ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حادثۂ قیامت کی طرف متوجہ کرنا اہم ہے۔[۹۵]

آیت ﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ [۹۶] (یہاں تک کہ تم نے قبرستان دیکھ لیے۔) کی تفسیر میں معنوی لطائف یوں بیان کرتی ہیں کہ التکاثر کی حد زیارتِ مقابر ہے۔ لفظ المقابر قرآن مجید میں صرف سورۃ التکاثر میں آیا ہے۔ جب کہ لفظ القبور پانچ مرتبہ اور القبر ایک مرتبہ مذکور ہے۔ یہاں التکاثر کے مقابل المقابر لانے میں حسنِ صوتی کی مناسبت کے ساتھ بلاغت کا پہلو بھی موجود ہے۔ المقابر، مقبرہ کی جمع ہے یعنی قبرستان۔ معنوی تقاضے کے مطابق یہاں اسی لفظ کا لانا مناسب تھا؛ کیوں کہ یہ لفظ تکاثر کے ساتھ گہرا معنوی ربط رکھتا ہے کہ تکاثر میں مبتلا افراد کی متاعِ دنیا کو فنا ہونا ہے۔ جن مفسرین نے مقابر کی تاویل قبور سے کی ہے انھوں نے قرآن کے اعجازِ بیان پر توجہ نہیں کی۔ لفظ مقابر، قبور کے برابر نہیں ہے۔ قبرستان وہ جگہ ہے جہاں یکے بعد دیگرے کثیر تعداد میں قبریں ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے متاعِ دنیا میں آگے بڑھنے کی جدوجہد یہاں آکر ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں قبروں میں سوئے ہوئے مردہ بے جان انسان ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش اور جدوجہد سے عاری وعاجز ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بنت الشاطئ کہتی ہیں کہ یہ بھی قرآن کا بیانیہ اعجاز ہے کہ صرف چار الفاظ الهکم – التکاثر – زرتم – المقابر میں دنیا کے سفر وسازوسامان، موت کی تذکیر اور موت کے بعد عارضی جائے سکونت

۹۲- القرآن،۲۵: ۱۔

۹۳- القرآن، ۳۵: ۸۔

۹۴- القرآن، ۲۴: ۳۸۔

۹۵- بنت الشاطئ، مصدر سابق، ۱: ۸۰- ۸۱۔

۹۶- القرآن، ۱۰۲: ۲۔

کے خوف کو سمو دیا گیا ہے۔(۹۷)

کلامی و سائنسی مباحث

بنت الشاطئ نے متنِ قرآن کو فہم و تدبر کا محور بناتے ہوئے تفسیرِ آیات میں کلامی مسائل کو موضوع بحث بنانے پر نقد کیا ہے۔ نیز وہ عصرِ حاضر میں فہمِ قرآن کو سائنسی علوم و موضوعات کے ساتھ منسوب و محدود کرنا درست نہیں سمجھتیں۔ مثلاً: آیت ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾(۹۸) (تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔) کی وضاحت میں کہتی ہیں کہ کچھ حضرات نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کافر کے نیک اعمال اس کے کفر کے سبب ضائع ہو گئے اور مومن کے برے اعمال اجتنابِ کبائر اور دنیوی مصائب کے سبب زائل ہو گئے تو ذرہ برابر نیکی و برائی کی جزا کا کیا مطلب ہے۔ اس مسئلہ پر بنت الشاطئ نے علامہ زمخشری، ابو حیان اندلسی، طبرسی اور محمد عبدہ کی آرا درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قضیہ حبط اعمال اور مسئلہ حساب و جزا اس آیت سے متعلق نہیں ہے، کیوں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان اپنا اچھا اور برا عمل دیکھ لے گا؛ یہ نہیں فرمایا کہ ہر اچھے اور برے عمل پر اسے جزا و سزا دی جائے گی۔(۹۹)

آیت ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾(۱۰۰) (اس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔) کی وضاحت میں لکھتی ہیں کہ اس آیت کے فہم کو ایمبریالوجی، بیالوجی، فزیالوجی وغیرہ کے ساتھ منسلک کرنا ایک جدید اختراع ہے۔ یہ آیت ایک امی قوم کی طرف مبعوث امی نبی ﷺ پر نازل ہوئی جنھوں نے اپنے دور میں ان علوم کے نام بھی نہیں سنے تھے۔ جب ان کے سامنے خالق کی ربوبیت و قدرت کی آیات پیش کی گئیں تو وہ اس کا فہم و ادراک رکھتے تھے؛ کیوں کہ العلق کا مطلب ان کی لغت اور معاشرے میں معروف تھا۔ عربی میں علق اس چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو لٹک جائے اور چپک جائے۔ علقت المرأة یعنی جو عورت حاملہ ہو جائے۔ وہ ان الفاظ سے مانوس تھے۔

۹۷- بنت الشاطئ، مصدر سابق، ۱: ۲۰۰- ۲۰۱؛ مزید مثالوں کے لیے دیکھیے: نفس مصدر، ۱: ۳۴-۳۵، ۲۱۲- ۲۱۶، ۲: ۲۱- ۲۲۔

۹۸- القرآن، ۹۹: ۷- ۸۔

۹۹- بنت الشاطئ، مصدر سابق، ۱: ۹۸- ۱۰۰۔

۱۰۰- القرآن، ۹۶: ۲۔

انھیں آیات کو سمجھنے کے لیے مختلف لائبریریوں کی طرف رجوع کرکے جینیاتی علوم سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی ذیل میں بنت الشاطیٔ نے دیگر مکی سورتوں سے وہ آیات پیش کی ہیں جن میں تخلیقِ انسان کے مراحل مذکور ہیں اور واضح کیا ہے کہ اہلِ عرب جدید سائنسی علوم سے آگاہ ہوئے بغیر ہی ان آیات کا مطلب سمجھتے تھے؛ چناں چہ ان آیات کا مفہوم جدید سائنسی علوم پر موقوف نہیں ہے۔[۱۰۱]

مجموعی طور پر **التفسير البياني** کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ بنت الشاطیٔ قرآن حکیم کی تفسیر کے لیے عربی لغت اور تدبر و تعقل کو اساسی اہمیت دیتی ہیں۔ اسلوبِ قرآن کے خصائص اور بلاغی و ادبی نکات کے بیان پر خاص توجہ دیتی ہیں۔ ان کے مقررہ منہج کے تابع منقولات و ماثورات اور اسلاف کا تفسیری سرمایہ ہدف نقد وجرح بھی نظر آتا ہے۔ جمہور علما کے موقف "يجب الأخذ بالتفسير بالماثور ولا يجوز العدول عنه إذا صح"[۱۰۲] کی روشنی میں ان کا طرزِ تفسیر منفرد اور جدابہ الفاظِ دیگر عقلیت پسندی کی جانب راجح محسوس ہوتا ہے۔

زینب الغزالی

زینب الغزالی مصر کی معروف مبلغہ، مثالی داعیہ اور مفسرۂ قرآن تھیں۔ ۱۹۱۷ء میں مصر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد شیخ محمد الغزالی معروف عالم تھے۔ والد کی وفات کے بعد ان کا گھرانہ قاہرہ منتقل ہو گیا۔ یہاں انھوں نے طالبات کے سرکاری سکول میں داخلہ لیا، عصری سرکاری تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ شیوخِ ازہر سے علومِ دینیہ کی تحصیل کی۔

زینب الغزالی ملک وملت میں خواتین کے متحرک سیاسی و عملی کردار کی پُرجوش حامی تھیں۔ ابتدا میں انھوں نے ہدیٰ شعراوی کی قائم کردہ تنظیم الاتحاد النسائی، جو حقوق وآزادیٔ نسواں کے لیے سرگرم تھی، میں شمولیت اختیار کی۔ لیکن جلد ہی انھوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور جمعية السيدات المسلمات کے نام سے الگ تنظیم قائم کی۔ زینب الغزالی کئی مساجد میں درس دیا کرتی تھیں جس میں ہزاروں کی تعداد میں خواتین شریک ہوتیں۔ انھوں نے خواتین کی دینی تعلیم کے لیے ادارہ بھی بنایا نیز ایک ہفتہ وار مجلہ بھی جاری کیا جو خواتین میں بہت مقبول ہوا۔

۱۰۱- بنت الشاطی، مصدر سابق، ۲: ۱۸- ۱۹۔

۱۰۲- فہد الرومی، **بحوث في أصول التفسير و مناهجه**، ۷۸۔

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۱۰۳) (اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں باہم تعاون کرو اور گناہ اور حد سے تجاوز کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔) کی تعلیمِ قرآنی کے مطابق زینب الغزالی دعوتِ دین میں تعاون کی قائل تھیں۔ گو کہ مصر کی مشہور تنظیم الاخوان المسلمون کے بانی حسن البنا شہید کی درخواست پر اخوان کے شعبۂ خواتین میں شامل ہونے سے انھوں نے اپنی شوریٰ کے مشورے سے انکار کیا لیکن فکری اعتبار سے وہ الاخوان المسلمون کی ہم نوا رہیں۔ اسی لیے ۱۹۵۴ء میں جب جمال عبد الناصر کے زمانے میں الاخوان المسلمون کو قید و بند اور ابتلا کا سامنا ہوا تو ان کی تنظیم نے اخوان کے خاندانوں کو سہارا دیا۔ نتیجتاً ۱۹۶۵ء میں جمعیة السیدات المسلمات پر بھی پابندی عائد کر کے زینب الغزالی کو جیل میں قید کر دیا گیا۔ یہاں سے انھیں ۱۹۷۱ء میں رہائی ملی۔

جیل سے رہائی کے بعد زینب الغزالی نے تحریر و تقریر ہر دو ذرائع سے تفہیمِ دین، امت کی بے داری اور اصلاحِ احوال کے لیے کام کیا۔ انھوں نے متعدد عرب و اسلامی و یورپی ممالک کے دورے کیے۔ مجلات و جرائد میں مضامین تحریر کیے نیز کئی کتب مثلاً **أيام من حياتي، مشكلات الشباب والفتيات في مرحلة المراهقة، إلى ابنتي** وغیرہ کے ساتھ ساتھ **نظرات في كتاب الله** کے نام سے ایک تفسیرِ قرآن بھی لکھی۔

اپنے وقت کی فقید المثال عالمۂ دین زینب الغزالی ۸۸ برس کی عمر میں اگست ۲۰۰۵ء میں خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔(۱۰۴) زینب الغزالی کے علمی کارناموں میں سب سے زیادہ اہمیت ان کی تفسیر کو حاصل ہے۔ یہ کسی مسلم خاتون کی طرف سے لکھی گئی پہلی مکمل تفسیر ہے جو منظرِ عام پر آئی کیوں کہ ان سے قبل عائشہ بنت الشاطیٔ نے چودہ منتخب سورتوں کی تفسیر کی تھی۔

آئندہ صفحات میں **نظرات في كتاب الله** کا اسلوب اور امتیازات کا مختصراً تعارف پیش کیا جائے گا۔

نظرات في كتاب الله – اسلوب و امتیازات

زینب الغزالی کو قرآن حکیم کے ساتھ خاص لگاؤ اور انسیت تھی۔ قرآن کے ساتھ ان کا ربط جیل کی خلوتوں میں مزید گہرا اور مضبوط ہوا۔ وہ جیل میں آیات پر غور و خوض کرتیں اور اللہ کی جناب سے جو معانی ان پر

۱۰۳– القرآن، ۵: ۲۔

۱۰۴– مسعود صبری، "زينب الغزالي نموذج الداعية المثالية"،
http://midad.com/article/204027/ , accessed January 5, 2018.

منکشف ہوتے اسے اپنے مصحف کے حواشی اور بین السطور میں لکھ لیتیں۔ جیل سے رہائی پر ان کا یہ مصحف تو انھیں نہ مل سکا لیکن وہ معانی و مفاہیم ان کے ذہن میں محفوظ رہے۔ بعد میں جب انھوں نے تفسیر لکھنی شروع کی تو یہ مفاہیم بھی ان کے پیش نظر رہے۔ نوے کی دہائی میں وہ تفسیر مکمل کر چکی تھیں۔ ڈاکٹر عبد الحئ فرماوی (استاد تفسیر جامعہ ازہر) نے اس پر نظر ثانی کی۔ پہلی جلد ۱۹۹۴ء اور دوسری جلد ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔

اس تفسیر کے امتیازی پہلو درج ذیل نکات کی صورت میں بیان کیے جاسکتے ہیں۔

ترتیب و فضائل سور

زینب الغزالی تفسیر کرتے ہوئے پہلے سورت کا مکی و مدنی ہونا، تعدادِ آیات اور نزولی ترتیب کے بارے میں بتاتی ہیں۔ مثلاً لکھتی ہیں کہ سورہ ھود مکی ہے سوائے آیت ۱۲، ۱۷ اور ۱۱۴ کے، یہ آیات مدینہ میں نازل ہوئیں اور سورہ ھود، سورہ یونس کے بعد نازل ہوئی۔[۱۰۵] سورہ النساء مدنی ہے یہ سورہ الممتحنہ کے بعد نازل ہوئی۔[۱۰۶]

احادیث میں مختلف سورتوں کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں زینب نے انھیں بھی پیش کیا ہے۔ مثلاً سورہ البقرۃ اور سورہ آل عمران کی فضیلت میں یہ حدیثِ مبارکہ نقل کی ہے:

اقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ، اقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ: الْبَقَرَةَ، وَسُورَةَ آلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا.[۱۰۷]

(قرآن پڑھو کیوں کہ وہ قیامت کے روز اپنے اصحاب کا سفارشی بن کر آئے گا۔ زہراوین یعنی بقرہ اور آل عمران کو پڑھو، کیوں کہ یہ دونوں قیامت کے دن دو بدلیوں کی شکل میں آئیں گی یا یہ صف باندھے پرندوں کے دو جھنڈ کی مانند آئیں گی اور اپنے اصحاب کے بارے میں مناقشہ کریں گی۔)

۱۰۵- زینب الغزالی، **نظرات في كتاب الله** (قاہرہ: دار الشروق، ۱۹۹۴ء)، ۱: ۶۲۱۔

۱۰۶- نفس مصدر، ۱: ۲۸۱؛ زینب الغزالی نے سورتوں کے مکی و مدنی ہونے اور ترتیبِ نزول کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے مطابق بیان کیا ہے جسے امام سیوطیؒ نے بہ حوالہ ابن الضریس (م ۲۹۴ھ) نقل کیا ہے۔ (جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر السیوطی، **الاتقان في علوم القرآن** (ریاض: مکتبۃ المعارف، ۱۴۱۶ھ)، ۱: ۳۱-۳۲۔)

۱۰۷- نفس مصدر، ۱: ۱۸۹؛ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب صلاۃ المسافرین، أبواب فضائل القرآن، باب فضل قراءۃ القرآن و سورۃ البقرۃ، رقم: ۱۸۷۴۔

ماثور طریقۂ تفسیر کا التزام

زینب الغزالی نے ماثور طریقۂ تفسیر کا اہتمام و التزام کیا ہے۔ یعنی انھوں نے آیات کی تفسیر دیگر آیات، صحیح احادیث اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں کی ہے۔ نیز متعدد مقامات پر تابعین اور علمائے سلف کے اقوال بھی پیش کیے ہیں۔ مفسرہ کی اس دینی خدمت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ تشریحِ آیات میں اسلاف کے ذخیرۂ تفسیر سے بہ کثرت استفادہ کیا ہے۔

"فالكتاب والسنة هما مصدرا التشريع في الأرض" [108] کے الفاظ سے زینب الغزالی نے قرآن و سنت کا مصدرِ شریعت ہونا بیان کیا ہے۔ **نظرات** میں تفسیر القرآن بالقرآن کا خاص اہتمام نظر آتا ہے۔ مثلاً: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ [109] (مالک ہے انصاف کے دن کا) کی وضاحت دیگر آیات کی روشنی میں یوں کرتی ہیں:

﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اس سخت دن لوگ اور امتیں حساب کے لیے کھڑے ہوں گے ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ [110] (جس دن مال اور بیٹے نفع نہ دیں گے سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔) ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ [111] (جس روز آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔ اس روز ہر شخص کی اپنی ہی شان ہو گی جو اس کے لیے کافی ہو گی۔) اس دن اعمال نامے کھولے جائیں گے ﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ [112] اس دن وزنِ اعمال کے لیے ترازو رکھا جائے گا ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا... الخ [113]﴾ [114]

زینب الغزالی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مطہرہ شریعت کا مرکز ہے، لکھتی ہیں:

ينهاكم سبحانه أن تتبعوا غير طريق محمد صلى الله عليه وسلم فهو أمين الله في الأرض يبلغ كتاب سبحانه و تعالىٰ ويفسره لأتباعه بالسنة المطهرة." [115] فطوبىٰ لمن خاف أمره فأطاع الله و

۱۰۸- زینب الغزالی، **نظرات**، ۱: ۴۶۶۔

۱۰۹- القرآن، ۱: ۴۔

۱۱۰- القرآن، ۲۶: ۸۸- ۸۹۔

۱۱۱- القرآن، ۸۰: ۳۴-۳۷۔

۱۱۲- القرآن، ۸۱: ۱۰۔

۱۱۳- القرآن، ۲۱: ۴۷۔

۱۱۴- الغزالی، مصدر سابق، ۱: ۱۷؛ مزید دیکھیے: ۱: ۵۱۹، ۶۲۵۔

۱۱۵- نفس مصدر، ۱: ۴۶۶۔

حفظ حدوده فأقامها وراجع سنة النبي صلى الله عليه وسلم ففسر القرآن بها وأقامها به وأقامه بها فهي بيانه الأمين وتفسيره الواضح.(۱۱۶)

(اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمھیں منع کرتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی کے طریقے کی پیروی کرو، کیوں کہ آپ ﷺ زمین میں اللہ کے امین تھے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب کی تبلیغ کرتے تھے اور سنت مطہرہ کے ذریعے اپنے متبعین کے لیے اس کی تفسیر کرتے تھے۔ پس خوش خبری ہے اس کے لیے جو اللہ کے امر سے ڈرے اور اس کی اطاعت کرے اور حدود کا پاس کرے اور انھیں قائم کرے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرے اور قرآن کی ان کے ذریعے تفسیر کرے اور قرآن کے ذریعے سنت کو قائم کرے اور سنت کے ذریعے قرآن کو قائم کرے، کیوں کہ سنت قرآن کا بیان امین ہے اور اس کی واضح تفسیر ہے۔)

زینب الغزالی نے احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے اقوال کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ مثلاً: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(۱۱۷) (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔) کی وضاحت میں پہلے حدیث رسول ﷺ(۱۱۸) تحریر کی ہے اور پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہؒ سے منقول یہ تفسیر نقل کی ہے: ”قال ابن عباس الوسيلة: أي القربة وقال قتادة: أى تقربوا إليه بطاعته والعمل بما يرضيه.“(۱۱۹) (ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وسیلہ یعنی قربت اور قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت اور اس کو راضی کرنے والے عمل سے اس کے قریب ہو۔)

زینب الغزالی علمائے متقدمین کی خدماتِ قرآن کی قدردان تھیں۔ انھوں نے علمائے سابقین کی تفسیری خدمات کو سراہنے کے ساتھ ساتھ ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔(۱۲۰)

بیسویں صدی عیسوی میں جب کہ فہمِ دین کے معاملے میں اسلاف پر اعتماد واقتدا کو اندھی تقلید وجمود سے تعبیر کرتے ہوئے حریتِ عقل کی صدائیں چہار سو گونج رہی تھیں ایسے میں زینب الغزالی نے جرأت مندی

۱۱۶۔ نفس مصدر، ۱: ۱۱۷، مثالوں کے لیے ملاحظہ کیجیے: نفس مصدر، ۱: ۲۹۶، ۳۷۳، ۳۷۴، ۵۰۷۔

۱۱۷۔ القرآن، ۵: ۳۵۔

۱۱۸۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن...، رقم: ۸۴۹۔

۱۱۹۔ الغزالی، **نظرات**، ۱: ۳۷۶، نیز دیکھیے: ۱: ۳۷۹۔

۱۲۰۔ نفس مصدر، ۱: ۱۲۔

سے جلیل القدر مفسرین کی طرف بار بار رجوع کر کے اپنی تفسیر کو گویا دل آویز گل دستے کی حیثیت دے دی ہے۔ کہتی ہیں کہ دین کی تفہیم و تشریح علما کا فرض ہے اور اس فرض کو ادا کرتے ہوئے انھوں نے کتاب اللہ کی تفسیر کا وافر سرمایہ چھوڑا ہے۔ لکھتی ہیں: ﴿الْحَمْدُ للهِ﴾ الذي أنعم على أمة رسوله صلى الله عليه وسلم فاختار منهم حفظه لكتابه وورثهم حفظه وتفسيره وبيان غاياته ومقاصده. فالعلماء ورثة الأنبياء فهم يشرحون للناس ما غمض عليهم و يبينون أحكامه وحلاله وحرامه ومحكمه ومتشابه.[۱۲۱] (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کی امت پر انعام کیا، چناں چہ اس نے ان میں سے اپنی کتاب کی حفاظت و تفسیر اور اس کے غایات و مقاصد کے بیان کے لیے لوگوں کو وارث بنایا۔ پس علما انبیا کے وارث ہیں وہ لوگوں کے لیے ان باتوں کی شرح کرتے ہیں جو ان پر مخفی ہوتا ہے۔ وہ اس کے احکام، حلال و حرام اور محکم و متشابہ کی تبیین کرتے ہیں۔)

علمائے سابقین میں سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (م۶۰۴ھ) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (م۶۷۱ھ)، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (م۷۷۴ھ) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۲۷۰ھ) اور جدید مفسرین میں علامہ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۳۲۲ھ) اور سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ (م۱۹۶۶ء) وغیرہ کی تفاسیر سے استفادہ کیا ہے۔[۱۲۲] نیز وہ کبھی کسی موضوع کے بارے میں تفصیلی رہ نمائی کے لیے قاری کو ائمۂ اسلاف کی دیگر کتب کی طرف بھی رجوع کرنے کا کہتی ہیں۔[۱۲۳]

آیاتِ احکام کی تفسیر

احکام سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں زینب الغزالی نے بالعموم فقہی اختلافات و جزئیات سے گریز کرتے ہوئے مختصر تفسیر کی ہے، البتہ کسی مقام پر غریب و نامانوس رائے کے مقابل جمہور کے قول کو ترجیح دی ہے۔ مثلاً: آیت ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾[۱۲۴] (یہ صدقات دراصل فقیروں اور

۱۲۱۔ نفس مصدر، ۱: ۱۵۔

۱۲۲۔ مثالوں کے لیے رجوع کیجیے: **نظرات**، ۱: ۳۶۰۔ ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۴، ۳۷۸، ۳۷۹، ۴۲۵، ۴۴۹، ۴۷۱، ۵۲۶، ۶۰۵، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۲۳، ۶۹۵۔

۱۲۳۔ مثلاً دیکھیے: نفس مصدر، ۱: ۲۹۶۔

۱۲۴۔ القرآن، ۹: ۶۰۔

مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی دل جوئی کرنی ہوتی ہے، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضہ داروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا ہی علم والا اور نہایت ہی حکمت والا ہے۔) کی تفسیر میں مصارفِ زکوٰۃ کی تعریف بیان کی ہے اور ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ﴾ کے حوالے سے کہتی ہیں کہ اس کی تحدید میں متعدد اقوال موجود ہیں تفصیل کے لیے تفسیرِ **قرطبی** ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ [۱۲۵]

آیت ﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [۱۲۶] (ایسے لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا ملک میں باہر نکال دیے جائیں۔ یہ ان کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے ایک عذاب عظیم ہے، مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس سے کہ تم ان پر قابو پاؤ، سو جان لو کہ اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔) کی تفسیر میں توبہ سے سقوطِ حد کے بارے میں جمہور فقہا کی رائے کے مطابق کہتی ہیں کہ جو مجرم حکومت کی گرفت میں آنے سے قبل تائب ہو چکا ہو اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی لیکن آدمیوں کے حقوق کا مطالبہ باقی رہے گا۔ [۱۲۷]

دعوتی واصلاحی اسلوب

اس تفسیر میں دعوتی و اصلاحی اسلوب غالب ہے۔ زینب الغزالی کے نزدیک سعادتِ دارین کا واحد راستہ قرآن و سنت کو تھامنا ہے۔ کہتی ہیں کہ قرآن تا قیامت انسانوں کے لیے دستورِ حیات ہے۔ اس سے تمام مسائل کی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ اس کی روشنی میں امتِ مسلمہ اپنے رب کی ہدایت و رضا کے موافق نمو، ترقی اور سعادت کا سفر طے کرتی ہے۔ [۱۲۸] ﴿كَانَ ٱلنَّاسُ أُمَّةً وَٰحِدَةً فَبَعَثَ ٱللَّهُ ٱلنَّبِيِّۦنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ

۱۲۵- زینب الغزالی، مصدر سابق، ۱: ۵۷۰۔

۱۲۶- القرآن، ۵: ۳۳-۳۴۔

۱۲۷- زینب الغزالی، مصدر سابق، ۱: ۳۷۵-۳۷۶؛ مزید دیکھیے: نفس مصدر، ۱: ۳۷۷-۳۷۸، ۴۴۸۔

۱۲۸- نفس مصدر، ۱: ۱۲۔

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾[۱۲۹] (لوگ ایک امت تھے۔ پھر اللہ نے نبیوں کو بھیجا، بشارت دینے والے اور ڈرانے والے، اور ان پر کتاب اتاری حق کے ساتھ تاکہ وہ فیصلہ کریں لوگوں میں ان باتوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔) میں مستور پیغام کی طرف یوں متوجہ کرتی ہیں:

آؤ میرے ساتھ غور کرو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کتاب نازل کی اور نزول کی غرض لیحکم ہے نہ کہ لیھجر۔ یعنی اسے فیصلہ کن اور بالاتر قانون تسلیم کیا جائے، نہ کہ اسے چھوڑ کر منہ موڑ لیا جائے۔ اور آؤ اسی طرح میرے ساتھ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾[۱۳۰] (پس اے پیغمبر، تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے۔ یہاں تک کہ آپ کو حاکم بنائیں ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان۔) میں غور کرو۔ ﴿يُحَكِّمُوْكَ﴾ فرمایا یعنی حکم و فیصلے کا اختیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ پس ایمان، نبی اور کتاب (قرآن حکیم) کی اقتدا کے ساتھ مشروط ہے۔[۱۳۱]

اس غالب دعوتی و اصلاحی اسلوب کے تحت عبارات سہل، طرزِ بیان واضح و سادہ اور تحریر غموض و غرابت سے منزہ دکھائی دیتی ہے۔

شعبہ ہائے حیات اور تعلیماتِ دینیہ

اس تفسیر کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ مفسرہ نے تمام شعبہ ہائے حیات میں مسلمانوں کو دینی تعلیمات اپنانے کی تلقین کی ہے۔ یہ تفسیر ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کا شیرازہ بکھرنے اور زوال پذیری کے حالات میں لکھی گئی ہے اسی لیے زینب الغزالی نے دنیوی و اخروی مصالح کے حصول کے لیے مسلمانوں کو تعلیماتِ دینیہ پر عمل کی ترغیب دی ہے۔ مثلاً:

آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾[۱۳۲] (اور جو لوگ اللہ کی اتاری گئی وحی کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔) کی تشریح میں **حکام وقت** کو متوجہ کیا ہے کہ گو یہ آیات اہلِ کتاب کے بارے میں ہیں، لیکن ان سے موعظت و عبرت حاصل کرنا ہم پر واجب ہے۔ آج مسلمانوں کا اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے حکام نے کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ اگر مسلمان اللہ کی حاکمیت تسلیم کرتا ہے لیکن اپنے

۱۲۹۔ القرآن، ۲: ۲۱۳۔

۱۳۰۔ القرآن، ۴: ۶۵۔

۱۳۱۔ زینب الغزالی، مصدر سابق، ۱: ۱۲؛ مزید مثالوں کے لیے رجوع کیجیے: نفس مصدر، ۱: ۳۶۷، ۳۶۹، ۴۲۵-۴۲۷۔

۱۳۲۔ القرآن، ۵: ۴۴، ۴۵، ۴۷۔

معاملات میں اللہ کو حاکم نہیں بناتا تو وہ خود پر ظلم کرتا ہے۔ ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے حکام کو شریعت کے موافق فیصلوں کی توفیق عطا فرمائے۔[۱۳۳]

آیت ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ...﴾[۱۳۴] (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، معاہدوں کی پابندی کرو۔۔) کی تفسیر میں مسلمانوں کو تجارتی معاملات میں صدق و امانت کی پاس داری اور حلال و حرام کے شرعی احکام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خرید و فروخت میں احتیاط کی نصیحت کی ہے۔[۱۳۵]

زینب فرد اور امت کی تعمیر و نمو میں خاندان کو اساسی حیثیت دیتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ شادی کے شرعی بندھن سے سلسلۂ حیات آگے بڑھتا ہے، اولاد ہوتی ہے اور اس طرح شادی بیاہ کے نظام پر زندگی کا انحصار ہے۔[۱۳۶] نیز حفظِ خاندان کے لیے کتابیہ عورت کی بہ نسبت مسلمان عورت سے شادی کرنا بہتر سمجھتی ہیں۔[۱۳۷]

مفسرہ نے اتحادِ امت کی قرآنی تعلیم کی طرف متوجہ کیا ہے۔ کہتی ہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ جو مختلف گروہوں، طریقوں اور جماعتوں میں منقسم ہو چکے ہیں وہ متحد ہو جائیں۔ جب تمام امت ایک صف میں یک جا ہو گی تبھی اس کی قوت میں اضافہ ہو گا۔ با جماعت نمازوں اور مساجد کے قیام و انتظام میں ہم مسلمانوں کو اتحاد کا درس دیا گیا ہے۔[۱۳۸]

دین و سیاست کی یک جائی کا تصور بھی پیش کیا ہے۔ زینب کے مطابق دین و سیاست لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾[۱۳۹] (پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔) وہ کہتی ہیں کہ أَحَدًا پر غور کریں تو بہت سے معبود، افراد کی شکل میں بھی ہوتے ہیں۔ ہر طرح کی جنس سے شرک کی نفی کی گئی ہے خواہ وہ انسان ہو، طاغوت ہو، نظام ہو، حکم ہو، معبود ہو یا کوئی بھی۔ آیت ﴿اِنِ

۱۳۳۔ زینب الغزالی، مصدر سابق، ا: ۳۸۰-۳۸۲۔

۱۳۴۔ القرآن، ۵: ا۔

۱۳۵۔ زینب الغزالی، مصدر سابق، ا: ۳۶۰؛ نیز دیکھیے: ا: ۲۸۱، ۳۸۹۔

۱۳۶۔ مصدر سابق، ا: ۲۸۱۔

۱۳۷۔ مصدر سابق، ا: ۳۶۴۔

۱۳۸۔ نفس مصدر، ا: ۵۷۴۔

۱۳۹۔ القرآن، ۱۸: ۱۱۰۔

﴿الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ﴾ (۱۴۰) (نہیں ہے بادشاہی مگر اللہ ہی کے لیے اس نے حکم دیا ہے کہ تم نہ عبادت کرو مگر اسی کی۔) میں حکم و عبادت دونوں اکٹھے ذکر ہوئے ہیں، لہٰذا دین و دنیا میں تفریق کرنا درست نہیں ہے۔ (۱۴۱)

دینِ اسلام نے خواتین کو جو حقوق عطا کیے ہیں بالعموم معاشرتی رسوم و رواج کے سبب خواتین کو ان سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ زینب الغزالی نے متوازن و معتدل انداز میں خواتین کے حقوق کا دفاع کیا ہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ...الخ﴾ (۱۴۲) (اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو جو وہ اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں۔ اس کا ان پر کوئی گناہ نہیں...) کی تفسیر میں کہتی ہیں کہ عدت گزرنے کے بعد اگر خاتون زیب و زینت اختیار کرے اور شادی کی خواہش کا اظہار کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عدت کا یہ حکم بیوہ مدخولہ و غیر مدخولہ دونوں کے لیے ہے۔ البتہ حاملہ عورت کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر شوہر کی وفات کے تین دن بعد بھی وضع حمل ہو گیا تو اس کی عدت مکمل ہو گئی اور اسے دوسری شادی کا حق حاصل ہے۔ اگر وہ سوگ کا لباس اتار کر تزئین و آرائش کرے اور دوسری شادی کی خواہش کا اظہار کرے تو ہمیں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ (۱۴۳) آیت ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (۱۴۴) (ان عورتوں کے لیے دستور کے مطابق اسی طرح حقوق ہیں جس طرح دستور کے مطابق ان پر ذمہ داریاں ہیں) کی تفسیر میں کہتی ہیں کہ خوش گوار ازدواجی زندگی کا اصول ہے کہ خواتین کے حقوق و فرائض بھی ہوں اور مردوں کے بھی، معروف انداز میں نہ کہ احسان اور بوجھ کی صورت میں۔ (۱۴۵) زینب الغزالی حقوقِ نسواں کے دفاع میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہیں کرتیں۔ انھوں نے احادیث کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ شوہر پر بیوی کے نان و نفقہ کے ساتھ اس کا اعزاز و اکرام، گھریلو

۱۴۰۔ القرآن، ۱۲: ۴۰۔

۱۴۱۔ زینب الغزالی، مصدر سابق، ا: ۶۷۷-۶۷۸۔

۱۴۲۔ القرآن، ۲: ۲۳۴-

۱۴۳۔ زینب الغزالی، مصدر سابق، ا: ۱۴۱-۱۴۲۔

۱۴۴۔ القرآن، ۲: ۲۲۸۔

۱۴۵۔ زینب الغزالی، مصدر سابق، ا: ۱۳۶-۱۳۷

امور میں شراکت و تعاون اور عزت و عفت کی حفاظت بھی لازم ہے۔ خاندان امت کے لیے اولین مدرسے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا شوہر کے اس حسن معاملہ ہی کے سبب بیوی تربیتِ اولاد کا فریضہ بہ خوبی ادا کر سکے گی۔ اس کے ساتھ وہ خواتین کو بھی اپنی عفت و آبرو کی حفاظت اور شوہروں کی اطاعت و فرماں برداری کا فرض یاد دلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ ایسی عورتیں بھی ہیں جو اپنے شوہروں پر برتری جتاتی، ان کے فیصلوں کو ترک کرتی اور ان سے نفرت و حقارت آمیز سلوک روا رکھتی ہیں۔ پس چاہیے کہ جو بیویاں اپنے شوہروں کی فرماں برداری نہیں کرتیں اور جو شوہر اپنی بیویوں پر ظلم کرتے ہیں انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا جائے۔[۱۴۶]

مجموعی طور پر **نظرات في كتاب الله** کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ زینب الغزالی جس طرح عملی زندگی میں رجوع الی القرآن والسنۃ اور عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے سرگرم رہیں اسی طرح انھوں نے بہ حیثیت مفسرہ پیغامِ قرآن کو حرزِ جاں بنانے اور تعلیماتِ شریعت پر عمل کی تحریک کا مقصد پیشِ نظر رکھا ہے۔ ان کے تفسیری منہج پر طریقِ اسلاف کے اتباع کا رنگ غالب دکھائی دیتا ہے۔

خلاصۂ تحقیق

التفسير البياني للقرآن الكريم اور **نظرات في كتاب الله** کے چند امتیازی پہلو اور خصائصِ اسلوب کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عصرِ حاضر میں ان دونوں خواتین نے فہمِ قرآن کے حوالے سے ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ بنت الشاطیؒ نے تفہیم و تشریحِ آیات میں متنِ قرآن میں تدبر و تفکر کو اساسی اہمیت دی ہے۔ اس طرزِ تفسیر سے مفسرہ نے کوشش کی ہے کہ ابدی معجزہ باری تعالیٰ قرآن حکیم کی معنوی بلاغت اور اس کی وجوہِ اعجاز کو سامنے لایا جائے۔ قرآن مجید میں براہِ راست تعقل و تدبر سے معانی کی تعیین و تفہیم کا طرزِ تفسیر اختیار کرنا بنت الشاطیؒ کی انفرادیت ہے۔ زینب الغزالی نے بیانِ تفسیر میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے۔ تشریحی نکات میں مفسرہ کا غالب رجحان فرد کے عقیدہ و فکر کی تہذیب اور اخلاق و عمل کی اصلاح کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بہ حیثیتِ امت اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ اجتماعی نظامِ حیات کو شریعت کے عین تابع کرنے سے دنیوی و اخروی فلاح مشروط ہے۔ آیات کے معانی و مفاہیم کی وضاحت میں قرآن و حدیث اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ کی طرف بہ کثرت رجوع نیز اقتداے اسلاف زینب الغزالی کی خصوصیت ہے۔

۱۴۶ — زینب الغزالی، مصدر سابق، ۱: ۱۳۶، ۲۹۷-۲۹۸۔

List of Sources in Roman Script

- Al-Qur'an
- Al- Bukhari, Muhammad b. Isma'il. *Al-Jami' al-Sahih*. Riyadh: Dar al-Salam, 1419 A.H.
- Al-Alusi, Mahmud. *Ruh al-Ma'ani fi Tafsir al- Qur'an al-'Azim wa 'l-Sab' al-Mathani*. Beirut: Dar Ihya' al-Turath al-'Arabi, n.d.
- Al-Andalusi, Abu Hayyan Muhammad b. Yusuf. *Al-Bahr al-Muhit fi 'l-Tafsir*. Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, *1413* A.H.
- Al-Ghazali, Zaynab. *Nazarat fi Kitab Allah*. Cairo: Dar al-Shuruq, 1994.
- Al-Hajjaj, Muslim b. *Al-Jami' al-Sahih*. Riyadh: Dar al-Salam, 1421 A.H.
- Al-Hakim, Muhammad b. 'Abd Allah. *Al-Mustadrak 'ala al-Sahihayn*. Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, *1422* A.H.
- Al-Laythi, Sarah. "'A'ishah 'Abd al-Rahman bint al-Shati' Qudwah li Fatayat 'Asrina." Accessed December 28, 2017. http://www.dostor.org/837773
- Al-Mas'udi, Ali b. al-Husayn. *Muruj al-Dhahab wa Ma'adin al-Jawhar*. Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, n.d.
- Al-Qurtubi, Muhammad b. Ahmad. *Al-JamI' li Ahkam al-Qur'an*. Beirut: Mu'assasat al-Risalah, 1427 A.H.
- Al-Razi, Fakhr al-Din Muhammad b. 'Umar. *Mafatih al-Ghayb*. Beirut: Dar al-Fikr, 1401 A.H.
- Al-Rumi, Fahad b. 'Abd al-Rahman. *Buhuth fi Usul al-Tafsir wa Manahijihi*. Riyadh: Maktabat al-Tawbah, 1419 A.H.
- Al-Sabt, Khalid b. 'Uthman. *Qawa'id al-Tafsir*. Egypt: Dar ibn 'Affan, 1421 A.H.
- Al-Suyuti, Jalal al-Din. *Al-Durr al-Manthur fi 'l-Tafsir bi 'l-Ma'thur*. Cairo: Markaz Hijr li 'l-Buhuth wa 'l-Dirasat al-'Arabiyyah wa 'l-Islamiyyah, 1424 A.H.
- Al-Suyuti, Jalal al-Din. *Al-Itqan fi 'Ulum al-Qur'an*. Riyadh: Maktabat al-Ma'arif, 1416 A.H.
- Al-Suyuti, Jalal al-Din. *Sawn al-Mantiq wa 'l-Kalam 'an Fannay al-Mantiq wa 'l-Kalam*. Egypt: Dar al-Nasr, n.d.

- Al-Tabari, Muhammad b. Jarir. *Jami‘ al-Bayan ‘an Ta’wil Ay al-Qur’an*. Cairo: Markaz al-Buhuth wa ’l-Dirasat al-‘Arabiyyah wa ’l-Islamiyyah bi Dar Hijr, 2001.
- Al-Tabari, Muhammad b. Jarir. *Tarikh al-Rusul wa ’l-Muluk*. Beirut: Dar Ibn Kathir, *1428* A.H.
- Al-Tirmidhi, Muhammad b. ‘Isa. *Al-Jami‘*. Riyadh: Dar al-Salam, 2009.
- Bint al-Shahba’. “Bint al-Shati’ wa Adab al-Mar’ah al-Muslimah.” Accessed December 28, 2017. https://majles.alukah.net/t71938/
- Bint al-Shati’, ‘A’ishah ‘Abd al-Rahman. *Al-Tafsir al-Bayani li ’l-Qur’an al-Karim*. Cairo: Dar al-Ma‘arif, 1997.
- Fal, Muhammad al-Salik Muhammad. “Al-Mar’ah wa ’l-Tafsir: Al-Hadir al-Gha’ib.” Accessed December 28, 2017. https://aafaqcenter.co/index.php/post/1529
- Ibn al-Athir, ‘Ali b. Muhammad. *Al-Kamil fi ’l-Tarikh*. Beirut: Dar al-Kitab al-‘Arabi, 1420 A.H.
- Ibn al-Jawzi, ‘Abd al-Rahman b. ‘Ali. *Zad al-Masir fi ‘Ilm al-Tafsir*. Beirut: Dar ibn Hazm, 2002.
- Ibn Kathir, Isma‘il b. ‘Umar. *Al-Bidayah wa ’l-Nihayah*. Beirut: Dar al-Ma‘rifah, 1471 A.H.
- Ibn Kathir, Isma‘il b. ‘Umar. *Tafsir al-Qur’an al-‘Azim*. Beirut: Dar Ibn Hazm, 1419 AH.
- Ibn Khaldun, ‘Abd al-Rahman b. Muhammad. *Diwan al-Mubtada’ wa ’l-Khabar fi Tarikh al-‘Arab wa ’l-Barbar wa man ‘Asarahum min Dhawi ’l-Sha’n al-Akbar*. Beirut: Dar al-Kutub al-‘Ilmiyyah, *1424* A.H.
- Ibn Taghri Bardi, Yusuf. *Al-Nujum al-Zahirah fi Muluk Misr wa ’l-Qahirah*. Beirut: Dar al-Kutub al-‘Ilmiyyah, *1413* A.H.
- Ibn Taymiyyah, Ahmad b. ‘Abd al-Halim. *Muqaddimah fi Usul al-Tafsir*. Damascus: Matba‘at Al-Taraqqi, 1355 A.H.
- Khan, Muhammad Saqi Musta‘id. *Ma’athir-i ‘Alamgiri*. Translated by Muhammad Fida ‘Ali Talib. Karachi: Book Land, 1961.

- Khan, Nawab Siddiq Hasan. *Fath al-Bayan fi Maqasid al- Qur'an.* Beirut: Al-Maktabah al-'Asriyyah, 1992.
- Nuwayhid, 'Adil. *Mu'jam al-Mufassirin: Min Sadr al-Islam Hatta al-'Asr al-Hadir.* Beirut: Mu'assasat Nuwayhid al-Thaqafiyyah li 'l-Ta'lif wa 'l-Tarjamah wa 'l-Nashr, 1988.
- Owen, Robert and Terence Blunsum, *Egypt: The Country and Its People.* London: The Queen Anne Press Ltd., 1966.
- Sabri, Mas'ud. "Zaynab al-Ghazali Namudhaj al-Da'iyyah al-Mithaliyyah." Accessed January 5, 2018. http://midad.com/article/204027/
- Zarkashi, Muhammad b. 'Abd Allah. *Al-Burhan fi 'Ulum al-Qur'an.* Cairo: Dar al-Hadith, 2006.